

راہِ نجات

مؤلف: سید آصف علی ہزاروی



اللہ کے دین کو اصلی حالت میں لوگوں تک پہنچانا

نبی پاک ﷺ نے مسجد نبوی سے، جو اللہ کے دین کا پیغام قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے جاری فرمایا اس کی اصلی حالت میں حفاظت کے احکامات کے مطابق ترویج اور دوسروں تک پہنچانا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی صحبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت تشکیل دی جنہوں نے آپ ﷺ کا فرمان غور سے سنا اور اس پر عمل کر کے پوری دنیا کیلئے مثال قائم کی اور اپنی جان و مال سب لاکر راہِ خدا میں پیش کر دیا اور دین کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں، اس کو پوری دنیا میں پھیلا یا اور ترغیب دی کہ لوگ خود بھی اس پر عمل کریں اور اسے آگے دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

راہِ نجات

مؤلف

سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

از افادات مؤلف (سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان)

0332-0348763 0302-2004072

تصدیق کنندہ۔ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمن عباسی

امام و خطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہاؤس، بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر کراچی۔

اشاعت اول: ربیع الثانی 1441 ہجری، دسمبر 2019 عیسوی

باہتمام _____ محترم راؤ محمد ایوب خان، فلائٹ لیفٹیننٹ (ر) PAF

راؤ اینڈ راؤ بلڈرز اینڈ ڈیولپرز

کمپوزنگ: محمد عامر صدیقی کراچی سینٹر، نیوٹاؤن کراچی۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش خدمت ہے، قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں۔

اس کاوش کا ثواب اس ذاتِ گرامی کی نذر ہے جسے کسی ثواب کی حاجت

نہیں بلکہ جس کا نام ہی ہمارے لیے حرفِ دُعا ہے، محمد ﷺ: ان سے رشتہ

ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ درحقیقت ایسی ہر کوشش اور ہدئیہ سلام و درود سے

ہماری ذات کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اس کا

ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد اور تمام متعلقین کو پہنچا دے اور ان کو اپنی رحمت

سے بخش دے اور میدانِ حشر میں ان پر خصوصی رحم فرمادے۔ آمین۔

سید آصف علی سبزواری

فہرست

| | | |
|----|---|-----|
| ۱ | حفاظتِ ایمان | ۴ |
| ۲ | ایمان و جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ | ۱۰ |
| ۳ | شرک کی اقسام اور شرک کا انجام | ۱۷ |
| ۴ | توحید اور شرک میں فرق | ۲۰ |
| ۵ | توحید کی اہمیت | ۲۳ |
| ۶ | شرکِ بتائی کا راستہ | ۲۶ |
| ۷ | اقسامِ توحید | ۲۸ |
| ۸ | توحید فی الذات | ۲۹ |
| ۹ | توحید فی الصفات | ۳۰ |
| ۱۰ | توحید فی الحقوق | ۵۹ |
| ۱۱ | خلاصہ | ۶۳ |
| ۱۲ | انبیاء سے متعلق ہمارے بے لاگ تبصرے | ۶۶ |
| ۱۳ | عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکومت | ۷۰ |
| ۱۴ | ایک کامیاب سیاست دان، مدبر اعظم ﷺ | ۷۳ |
| ۱۵ | محسنِ انسانیت ﷺ کا ادب اساسِ ایمان | ۷۷ |
| ۱۶ | شفاعت سے متعلق غلط فہمی میں مت رہیے | ۸۰ |
| ۱۷ | خاندانِ نبوت و اہل بیتؑ | ۸۴ |
| ۱۸ | عظمتِ صحابہؓ | ۸۷ |
| ۱۹ | یارِ نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ | ۹۴ |
| ۲۰ | حضرت فاروق اعظمؓ جیسا کون؟ | ۹۸ |
| ۲۱ | شہیدِ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ | ۱۰۲ |
| ۲۲ | شانِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ | ۱۰۶ |
| ۲۳ | حضرت حسینؓ بحیثیت شہید | ۱۰۸ |
| ۲۴ | پیرانِ بیہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ | ۱۱۷ |
| ۲۵ | علماء کرام اور بزرگانِ دین کی قدر کیجئے | ۱۲۱ |

فہرست

| | | |
|----|---|-----|
| ۲۶ | اللہ کے احکامات | ۱۲۴ |
| ۲۷ | قربانی کی حقیقت | ۱۲۷ |
| ۲۸ | دنیا کو پرسکون اور آخرت کو خوشگوار بنائیے | ۱۲۸ |
| ۲۹ | آسمان اللہ کی تخلیق کا کرشمہ | ۱۲۹ |
| ۳۰ | اسلام میں حلال اور صحت افزا غذا کی اہمیت | ۱۳۳ |
| ۳۱ | اللہ پر توکل اور اس کے تقاضے | ۱۳۷ |
| ۳۲ | روزِ حشر جزا و سزا کا تصور اور آسان حساب کی نوید | ۱۴۱ |
| ۳۳ | معجزات نبوی ﷺ | ۱۴۶ |
| ۳۴ | شافع روزِ جزا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ | ۱۴۸ |
| ۳۵ | مریض کی عیادت | ۱۵۰ |
| ۳۶ | مجھڑ کی حقیقت اور وبائی امراض سے حفاظت | ۱۵۵ |
| ۳۷ | انسانی زندگی پر رزقِ حلال کے اثرات | ۱۶۱ |
| ۳۸ | وسوسہ بندے کو اللہ سے دور رکھنے کا ایک شیطانی عمل | ۱۶۴ |
| ۳۹ | پانی کا بے جا اسراف اور اسلامی تعلیمات | ۱۶۶ |
| ۴۰ | جذبہٴ ایثار اور خدمتِ خلق | ۱۶۹ |
| ۴۱ | خودکشی دین و دنیا کا ابدی خسارہ | ۱۷۳ |
| ۴۲ | عدل اسلامی نظامِ مملکت کا بنیادی ستون | ۱۷۶ |

حفاظتِ ایمان

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيَدْخُلُهُمْ فِيْ رَحْمَةِ مَنْهٖ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا.

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اچھی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسے لوگوں کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریں گے اور انہیں اپنے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائیں گے (جب بھی انہیں رہنمائی کی ضرورت پیش آئے گی وہاں ان کی دستگیری فرمائیں گے)۔

ایمان ایک قیمتی سرمایہ

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ایمان کا مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں کو بشارت دی ہے کہ اللہ رب العزت ان کو عنقریب اپنی خصوصی رحمت اور فضل میں داخل فرمائیں گے اور اپنے تک پہنچنے کے لیے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کریں گے۔ ایمان ایک بیش قیمت خزانہ ہے، انسان کا قیمتی سرمایہٴ حیات ہے جس سے وہ دنیا میں بھی سکون و آرام کی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اپنی آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی بھی اس سے سنوار سکتا ہے۔ ایمان پر استقامت اختیار کر کے وہ دنیوی پریشانیوں سے نجات پاسکتا ہے اور یہی اس کے لئے آخرت کی تکالیف و آلام سے بھی چھٹکارا پانے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ.

ترجمہ: ہم اپنے رسولوں کی اور مومنوں کی مدد کریں گے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں

ایمان ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر کوئی عمل بھی مقبول نہیں، اگرچہ بظاہر وہ بہت بڑا نظر آتا ہو۔ تمام اعمال میں جان اسی سے پڑ سکتی ہے جس طرح بدن روح کے بغیر ایک

فضول ڈھانچے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اسی طرح اعمال بھی ایمان کے بغیر فضول اور بے فائدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں، انہیں انجام دینا سوائے خود کو تھکا دینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ ایمان کے اصل معنی ہیں کسی پر اعتماد کرنا اور اس کی وجہ سے اس کی بات سچ ماننا۔ ایمان کی اصل روح یہی اعتماد اور یقین ہے۔ آدمی کے مومن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام باتوں کو برحق و سچ مان کر قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسان و جنات کی ہدایت کے لئے بھیجی ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمان ان باتوں کی تصدیق کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں چاہے وہ اجمالی ہوں یا تفصیلی۔

اخروی انعام و اکرام

ایمان ہی کی بدولت ہوگا

اسی ایمان کی وجہ سے انسان اللہ کی رضا حاصل کر سکتا ہے اور جنت کی حقیقی اور دائمی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا اہل قرار پاتا ہے۔ یہ بات بنی آدم کے ازلی دشمن شیطان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اسے کسی صورت میں بھی یہ برداشت نہیں کہ مٹی سے پیدا کردہ مخلوق سے اس کا خالق راضی ہو اور پھر اپنی رضا کے بدلے اسے باغات میں داخل کر دے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کر دے جہاں وہ عیش و عشرت اور مزے میں رہے اور خود اسے جہنم کی وادی میں دھکیل دے۔ اس لئے وہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتا ہے کہ انسان کو اس دولت سے محروم کر دے اور کسی طریقے سے اس کی یہ پونجی ضائع ہی کر دے چنانچہ وہ ہر لمحہ اس عظیم خزانے پر ڈاکہ ڈالنے کی فکر میں رہتا ہے لیکن باری تعالیٰ کی رحمت و شفقت کے کیا کہنے جو ہر وقت اپنے بندوں پر مسلسل رحمتوں کی بارش برسا رہا ہے، قدم قدم پر اپنے بندوں کی رہنمائی کا سامان کیا ہوا ہے۔ اس نے مسلمان کو اپنی اس قیمتی متاع کی حفاظت کے طریقے بھی بتلائے ہیں، پہلے کسی نشست میں بیان کر چکا ہوں، آج کی اس نشست میں بھی اسی سلسلے میں عرض کرنا چاہوں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایمان کی حفاظت

جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے آدمی اتنی ہی زیادہ اس کی حفاظت کرتا ہے، ایمان سے بڑھ

کر قیمتی اور کیا چیز ہوگی؟ چنانچہ اس کی حفاظت بھی انتہائی ضروری ہے۔ مسواک کرنا بظاہر ایک چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے لیکن ایسی ہی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مل کر ایمان تشکیل پاتا ہے۔ مسواک کے بے شمار فوائد ہیں، یہ ہزاروں بیماریوں کا علاج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

السواک مطهرة للغم و مرضاة للرب

ترجمہ: مسواک منہ کو صاف کرنے کا آلہ اور رب کریم کی رضا کا ذریعہ ہے۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین سنت اور آپ کا پسندیدہ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے مسواک فرماتے تھے، سونے سے پہلے، جاگنے کے بعد، گھر والوں کے پاس جاتے وقت مسواک کیا کرتے تھے۔ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ بغیر مسواک کے ستر نمازوں کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دنیا سے پردہ فرماتے وقت پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل مسواک کرنا تھا۔ مسواک استعمال کر کے ”اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِیقِ الْاَعْلٰی“ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسد عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

مسواک کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت پڑھنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے:

مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دیکھئے اس مسواک کی وجہ سے کلمہ شہادت نصیب ہوتا ہے یہی ایمان کی حفاظت اور پھر اس کی بدولت جنت میں جانے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب فرمائے۔ آمین

اسی کی وجہ سے موت آسان ہو جاتی ہے، جیتے جاگتے صحت و ہوش کی حالت میں موت آ جاتی ہے لہذا ہم سب کو چاہئے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبوب سنت پر عمل پیرا ہو کر سچے عاشق رسول اور یکے امتی ہونے کا ثبوت دیں۔ نہ صرف خود مسواک

کریں بلکہ خوب اچھی طرح اس کی ترغیب بھی دیں۔

حفاظت ایمان کے لئے ایک خاص وظیفہ

جس طرح مسواک حفاظت ایمان کے لئے ظاہری ہتھیار ہے اسی طرح اس کے باطنی ہتھیار بھی ہیں جن میں سے عمل ذکر کئے دیتا ہوں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں، ایک دو منٹ میں مکمل ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ حشر کی یہ آخری تین آیتیں

هو الله الذي لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة الخ۔
صبح پڑھے تو رات تک اگر موت آگئی تو شہادت کی موت شمار ہوگی، اگر شام کو پڑھے تو صبح تک موت آنے کی صورت میں وہ بھی شہادت کی ہی موت شمار ہوگی، جب موت شہادت کی ہے تو ایمان بجز اللہ محفوظ رہا۔

ہمارے حدیث کے استاد محترم جو کہ بہت بڑے انسان تھے، پرہیزگار اور ولی اللہ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد ان تین آیات سے پہلے سات مرتبہ ”اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم“ پڑھ کر سات مرتبہ ”اللهم اجرني من النار“ پڑھے پھر اس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے، اگر موت آئے گی تو وہ شہادت والی ہوگی، اس کے علاوہ اس عمل سے اس شخص کا غصہ بھی قابو میں رہے گا۔

غصہ سلب ایمان کا سبب بن سکتا ہے

آج کل اکثر خاندان آپس میں غصے پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے اختلافات کے شکار ہیں، اچھے خاصے نیک اور نامور خاندان اسی کی وجہ سے اجڑ جاتے ہیں اور باہم دست و گریبان رہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس عمل کی برکت سے غصہ پر قابو رہے گا، جو تمام برائیوں اور فسادات کی جڑ ہے۔ غصہ کی حالت میں انسان شیطان کی گیند بن جاتا ہے، وہ جس طرح اس کو گھمانا چاہے گھما سکتا ہے، اس کو الٹنے پلٹنے کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ معمولی حرکت سے بھی وہ گردش میں آ جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب۔

طاقتور وہ نہیں جو غصے میں دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے بلکہ طاقتور اور پہلوان حقیقت میں وہ شخص ہے، جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھتا ہو یعنی غصے میں آ کر کوئی ایسی

حرکت نہیں کرتا جو اللہ اور رسول کو ناپسند ہو اور شریعت کے خلاف ہو، نہ کسی بندے کے حقوق کو ضائع کرے نہ اللہ تعالیٰ کے، نہ انسان کو تکلیف دے اور نہ کسی اور جاندار کو اذیت پہنچائے۔ ہم لوگ غصہ میں آ کر آپ سے باہر ہو جاتے ہیں، جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھار ہم اپنے حواس پر قابو نہ رکھنے کی وجہ سے الفاظ کفریہ و شرکیہ تک کہہ دیتے ہیں جو سلب ایمان کا بھی سبب بن سکتے ہیں۔ نتیجتاً ایمان جیسی قیمتی دولت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، اس لئے غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر مکمل قابو رکھنا چاہئے۔ شیطان اسی تاک میں رہتا ہے کہ کب یہ غصے میں آئے اور کب اس کی عقل کام کرنا چھوڑ دے تاکہ میں آسانی سے اس کو گمراہ کر سکوں بلکہ شیطان معمولی سی بات کو اس کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے تاکہ یہ طیش میں آ جائے، اس کو غصہ دلانے کی کوشش کرتا ہے۔

غصہ فرو کرنے کی ترکیب

حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الغضب من الشيطان وان الشيطان خلق من النار وانما تطفأ النار بالماء فاذا غضب احدكم فليتبوضاً۔

ترجمہ: غصہ شیطانی اثر کا نتیجہ ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھتی ہے، تو جسے غصہ آئے اسے چاہئے کہ وضو کرے۔

اس حدیث میں اور دوسری حدیثوں میں جس غصے کو شیطانی اثر کہا گیا ہے اس سے وہ غصہ مراد ہے جو اپنی ذات کے لئے ہو اور وہ غصہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمنوں کے خلاف آئے یا جو شریعت کی خلاف ورزی کرنے پر آئے وہ غصہ مذموم نہیں بلکہ محمود اور قابل ستائش ہے۔ غصہ کا اپنا محل اور مقام ہے، اس وقت جو غصہ آئے گا وہ باعث اجر و ثواب ہوگا۔ اگر اس موقع پر غصہ نہ آئے تو ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

اس حدیث میں غصہ کو ختم کرنے کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کرے اس لئے کہ یہ شیطان کی بھڑکائی گئی آگ ہے اور آگ پانی سے بجھتی ہے جب وہ وضو میں پانی استعمال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس غصہ کی آگ

جہادیں گے اور یوں وہ شیطان کے اثر سے بچ جائے گا۔ جو بہت بڑے بڑے ارادے لے کر اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

غصے کے بھیانک نتائج

اکثر طلاق کا سبب بھی یہی غصہ ہوتا ہے کہ غصے میں آ کر معمولی سی بات پر بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں۔ شیطان کے شکنجے میں آ کر اپنا گھر اُجاڑ ڈالا، بچوں کو پریشان کر دیا، اچھا خاصا آباد گھر منٹوں میں ویران کر دیا، اب اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں نفرت بڑھے گی، عداوت و دشمنی پیدا ہوگی، رشتہ داری اور صلہ رحمی قطع رحمی میں تبدیل ہو جائے گی، اقرباء اور رشتہ دار دشمن بن جائیں گے۔ بسا اوقات یہ سلسلہ قتل تک پہنچ جاتا ہے۔ معصوم جانیں قتل کا شکار ہو جاتی ہیں، جوان لڑکیاں بیوہ ہو جاتی ہیں، ننھے منے بچے یتیم بن جاتے ہیں، بہت سی شرافت دار خواتین در بدر کی ٹھوکریں کھانے لگتی ہیں، ہر کس و ناکس سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، ان کی عزت و عصمت محفوظ نہیں رہتی۔ اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ان کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے، یہ صرف اور صرف اپنے غصے کو کنٹرول نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ غصے کو قابو میں رکھا جائے، اس کو ضبط کرنے کے لئے جو اعمال بتائے گئے ہیں ان پر عمل کیا جائے، ورنہ یہی غصہ جان لیوا اور ایمان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ کلمات کفریہ کہہ کر ایمان سلب ہو سکتا ہے، ایمان کی حفاظت ہر حال میں ضروری ہے۔ ایمان کے بغیر سب کچھ فضول ہیں، کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت خاتمہ بالا ایمان کی دعا مانگنی چاہئے کہ ہمارا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہو، جب دنیا سے جانے کا وقت آئے تو زبان پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد جاری ہو۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے، شیطان کے شر و فتنوں سے بچائے۔ آمین

ایمان و جنت کی کنجی، لا الہ الا اللہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے، ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ منہائے نظر تک پھیلا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا جائے گا کہ ان اعمال ناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے۔ کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر متعین تھے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے (کہ کوئی گناہ بغیر کئے ہوئے لکھ لیا ہو یا کرنے سے زیادہ لکھ لیا ہو) وہ عرض کرے گا کہ نہیں (نہ انکار کی گنجائش ہے نہ فرشتوں نے ظلم کیا) پھر ارشاد ہوگا کہ تیرے پاس ان بد اعمالیوں کا کوئی عذر ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ کوئی عذر بھی نہیں۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے۔ پھر ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا جس میں ”اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمداً عبداً و رسولہ“ لکھا ہوا ہوگا۔ ارشاد ہوگا کہ جا اس کو تلو الے وہ عرض کرے گا کہ اتنے دفتر کے مقابلے میں یہ پرزہ کیا کام دے گا۔ ارشاد ہوگا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ان سب دفتر کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسری جانب وہ پرزہ ہوگا تو دفتر والے پلڑے لگے گا، اس پرزے کے وزن کے مقابلے میں۔ پس بات یہ ہے کہ اللہ کے نام سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

ایک اور موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تمام آسمان وزمین اور جو لوگ ان کے درمیان میں ہیں وہ سب اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں وہ سب کچھ اور جو کچھ ان کے نیچے ہے وہ سب کا سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لا الہ الا اللہ کا اقرار دوسری جانب ہو تو وہی تول میں بڑھ جائے گا (طبرانی)

خالق کائنات نے اس عالم کو پیدا فرمایا پھر جنات و انسانوں کو وجود بخشا پھر وقتاً فوقتاً تقریباً سو الاکھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اس تمام تر نظام کے قیام کا مقصد فقط یہ تھا کہ ”میں نے جنات اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں“ اور تمام

عبادتوں کی بنیاد توحید ہے اور توحید کی وضاحت ”لا الہ الا اللہ“ سے بڑھ کر کوئی کلمہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس کلمے کے ذریعے رب کائنات وحدہ لا شریک نے سب سے پہلے نفی یعنی انکار کرنا سکھایا یعنی کہ دنیا میں کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ بظاہر یہ جملہ بڑا عجیب سا ہے مگر کلمہ کے آغاز میں یہ جملہ لانے میں بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

اگر کسی برتن میں غلاظت لگی ہوئی ہو اور اس میں آپ کو خوش ذائقہ، عمدہ اور خوشبودار و اشتہا انگیز پکوان رکھ کر دیا جائے تو باوجود شدید بھوک کے آپ اسے کھانا تو درکنار، اس کے قریب جانا بھی پسند نہیں کریں گے، کوئی کپڑا انتہائی عمدہ و نفیس ہونے کے باوجود میلچکیلا ہو اور اس سے بدبو کے بھمکے اٹھ رہے ہوں تو کیا آپ اسے پہننا پسند کریں گے، ایک مکان جو انتہائی خوبصورت اور مضبوط و کشادہ بنا ہوا ہو مگر اس میں ہر طرف مٹری کے جالے، گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں، سانپ، بچھو و دیگر حشرات الارض ریگلتے پھرتے ہوں تو کیا آپ اس میں رہنا پسند کریں گے؟ یقیناً پہلے آپ ان چیزوں کو ہر قسم کی گندگی سے پاک کریں گے اس کے بعد ہی اسے استعمال کرنا پسند کریں گے۔ اگر آپ ان کی صفائی کے بجائے ان پر بہترین خوشبو کی پوری بوتل خالی کر دیں تو کیا وہ چیز قابل استعمال ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں!

اگر ایک انسان جو اپنے اندر بے شمار غلاظتیں لئے پھرتا ہے، وہ ایسا کھانا نہیں کھانا چاہتا جس میں غلاظت شامل ہو، ایسا لباس زیب تن نہیں کرنا چاہتا جو گندا ہو، ایسے مکان میں نہیں رہنا چاہتا جس میں اس کے دشمنوں کا بسیرا ہو تو رب کائنات جو ہر گندگی اور عیب سے پاک ہے، جو جمیل و لطیف ہے وہ ایسے دل میں کس طرح رہ سکتا ہے جہاں کفر و شرک کی غلاظت ہو، جس پر اس کے دشمنوں کا قبضہ ہو لہذا رب العالمین نے دنیا کے سب سے عظیم کلمے کا آغاز اپنے بابرکت نام سے کرنے کے بجائے غیر اللہ کی نفی سے کیا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل کو غیر اللہ سے پاک کیا جائے۔ جب آپ کے دل نے یہ گواہی دے دی کہ دنیا میں کوئی معبود نہیں ہے تو اب آپ کا دل ہر قسم کی گندگی و دشمنوں سے پاک ہو کر اپنے حقیقی مسکین کی سکونت کے لئے تیار ہو گیا لہذا اب اقرار کیجئے۔ الا اللہ یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔

اگر ہمارے قلوب کو اس نفسیاتی طریقے سے پاک نہ کیا جاتا تو ہم طوطے کی طرح کلمہ

پڑھتے رہتے مگر ہمارا دل ہندوؤں و دیگر مشرکین کی طرح اللہ کو بڑا اور دیگر کو چھوٹے چھوٹے خدا تصور کئے رہتا۔ کسی کو بارش کا خدا سمجھتے کسی کو اولاد دینے کا، کسی کو روزی دینے کا خدا سمجھتے کسی کو شفا دینے کا اور کسی کو پریشانیوں دور کرنے کا خدا سمجھتے تو کسی کو خزانے بخشنے والا لہذا ہماری اسی نفسانی کمزوری و کم عقلی کو دور کرنے کے لئے الہ العالمین نے ہماری زبان و دل سے سب سے پہلے غیر اللہ کا انکار کروایا پھر توحید کا اقرار کروایا یعنی اوروں سے کچھ نہیں اور اللہ سے سب کچھ۔ اسی یقین کا نام ایمان ہے اور حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سب نے اسی چیز کی تعلیم دی ہے۔

کلمہ شہادت کا دوسرا جز بھی رسالت کے ساتھ ساتھ وحدانیت کے پرچار پر مشتمل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر ہیں وہ بھی بندے، آپؐ کا خالق بھی اللہ ہے لہذا آپؐ بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ پھر خالق اور مخلوق میں کیا فرق باقی رہے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے عظیم مرتبہ عطا فرما کر افضل البشر قرار دیا اور تمام انسانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ جب سردار الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی ہستی میری ذات، صفات اور عبادات میں شریک نہیں ہے تو پھر کسی اور کی کیا حیثیت ہے کہ وہ میرا شریک ہونے کا دعویٰ کرے اس حماقت کا مظاہرہ کرنے والے فرعون و نمرود جیسے احمقوں کے انجام سے کون واقف نہیں؟ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور اس کلمے کے اقرار کا مقصد و مطلب یہی ہے کہ میں رب کائنات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا اور آپؐ کی سنت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہوئے زندگی کے ہر موڑ پر اتباع سنت کا اہتمام کروں گا۔ کلمے کے اس مفہوم کو مشرکین مکہ خوب سمجھتے تھے اور ان کے انکار و دشمنی کی وجہ یہی تھی کہ ان کی محدود عقل یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ ایک اللہ تمام کائنات کا نظام اکیلے کس طرح چلا سکتا ہے لہذا وہ اپنے خود ساختہ خداؤں کے ساتھ تو اللہ کو مانتے تھے مگر اسے وحدہ لا شریک تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

یہ کلمہ اگر حقیقی مفہوم اور اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے تو کائنات کی ہر چیز پر بھاری ہے۔ یہ کلمہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ایک مسلمان خواہ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو اس کلمے

کی برکت سے کبھی نہ کبھی جہنم سے نکال کر جنت میں ضرور داخل کیا جائے گا اور اس وقت کفار و مشرکین یہ حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے بھی یہ کلمہ پڑھ لیا ہوتا۔ اس کے برعکس کوئی شخص خواہ چوبیس گھنٹے سجدے میں کیوں نہ پڑا رہے لیکن اگر اس نے یہ کلمہ نہیں پڑھ لیا اس کی حقیقت کو سمجھنے کے بجائے شرک میں مبتلا رہا تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کی عبادت و ریافت کچھ کام نہ آئے گی۔

حضرت زید بن ارقمؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمے کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے (طہرائی) ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو (طہرائی)۔ آپؐ نے فرمایا کہ (تمام اذکار میں) افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل استغفار ہے پھر اس کی تائید میں سورہ محمد کی آیت ”فاعلم انه لا الہ الا اللہ“ تلاوت فرمائی نیز فرمایا کہ لا الہ الا اللہ اور استغفار کو بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے دیکھا (کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) تو میں نے ان کو سوائے نفس (یعنی بدعات) سے ہلاک کیا اور وہ خود کو ہدایت پر سمجھتے رہے (فضائل اعمال)۔

آج ہم اس کلمے کی حقیقت و اہمیت سے بے خبر ہیں مگر اس کی اہمیت کا انداز امرنے کے بعد ہوگا جب کلمہ گو ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں میں اور اس کے منکر ہمیشہ کیلئے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔ یہ مختصر سا کلمہ ایمان کی بھی چابی ہے اور جنت کی بھی لہذا اپنی جان سے بھی بڑھ کر اس کی حفاظت کی ضرورت ہے جو اس سے محروم ہو گیا یا اس کے دندانون کو شرک سے خراب کر بیٹھا وہ کسی بھی صورت جنت کا تالا نہیں کھول سکے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ جو کہ نبی علیہ السلام کے خاص خادم تھے اور دس برس تک نبی علیہ السلام کی خدمت کا شرف حاصل کرتے رہے، سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن

جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کا نام لے کر آواز دی، انہوں نے عرض کیا: لبیك یا رسول اللہ وسعدیک۔

یعنی یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ ارشاد فرمائیے۔

تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہونے کے بعد حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص بھی صدق دل کے ساتھ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں، اللہ نے جہنم کی آگ پر ایسے شخص کو حرام قرار دے دیا ہے۔“

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ خوشخبری سن کر عرض کیا کہ کیا یہ خوشخبری لوگوں کو بھی نہ سنادوں کہ وہ بھی خوش ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر انہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے (اور اعمال ترک کر دیں گے یا ان میں سستی کریں گے) بعد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کتمان علم یعنی علم کو چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لئے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ حدیث لوگوں کو سنائی۔

سامعین محترم! صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس روایت میں جن جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، ان کا نام نامی اسم گرامی ابو عبد الرحمن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا، آپ کا گھر مسجد قبلتین کے قریب واقع تھا۔

مسجد قبلتین، مدینہ منورہ کی ایک قدیم تاریخی مسجد ہے جہاں بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو نماز میں اپنا قبلہ مقرر کرنے کا حکم آیا تو وہ لوگ جو پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، اب خانہ کعبہ کی طرف گھوم کر نماز پڑھنے لگے، اسی وجہ سے مسجد قبلتین کہا جانے لگا یعنی دو قبلوں والی مسجد، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اسی کے قریب رہتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جو خاص تعلق تھا، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی طرف سے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، جب

وہ روانہ ہونے لگے تو انہیں نصائح سے نوازا۔ انہیں اونٹ پر سوار کیا اور خود کچھ دور پیدل چل کر انہیں رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور آخر میں اُن سے فرمایا کہ ہو سکتا ہے اب دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے لیکن نبی علیہ السلام نے انہیں تسلی دے کر یمن کی طرف رخصت کر دیا۔

یہ واقعہ انہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے، جس میں سب سے پہلے تو اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی علیہ السلام کو اتنا تعلق تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا کرتے تھے، پھر نبی علیہ السلام کا انہیں بار بار نام لے کر پکارنا اور ان کا اپنی موجودگی کو یقینی ثابت کرنا بھی اسی تعلق کا ایک واضح ثبوت ہے۔

اس تعلق کو اپنے ذہن میں رکھ کر اب حدیث کے مضمون پر غور فرمائیے، جس میں توحید و رسالت کی گواہی دینے کی ایک اہم ترین فضیلت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ جس شخص نے بھی صدق دل سے توحید و رسالت کی گواہی اور اس کا اقرار کر لیا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دیں گے۔

یہاں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا انسان کی نجات کے لئے صرف توحید و رسالت کی گواہی کافی ہے۔ یا دیگر عقائد پر بھی ایمان لانا ضروری ہے؟ اگر دیگر عقائد پر ایمان لانا بھی ضروری ہے تو یہاں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

علماء کرام اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ دراصل انسان جب اللہ کو ایک مانتا ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و ہادی تسلیم کرتا ہے تو گویا حقیقتاً وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جن چیزوں پر عمل کرنے کا مجھے حکم دیا جائے گا، میں ان پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے رکھنے اور بچنے کی تاکید و تلقین کی جائے گی، میں ان سے بچتا رہوں گا۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کسی شخص نے بیرون ملک جانا ہو تو سب سے پہلے وہ ویزے کے لئے درخواست دیتا ہے، جب اس کا ویزہ لگ جاتا ہے اور وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے ذمے اُس ملک کے قوانین اور اصول و ضوابط کی پابندی

خود بخود لازم ہو جاتی ہے اور اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہوتا کہ مجھے فلاں اصول کا علم نہیں تھا اس لئے اس کی خلاف ورزی ہونے پر مجھے جرم مانہ یا سزا سے بچا لیا جائے۔

اسی طرح جب ایک آدمی نے صدق دل سے کلمہ پڑھ لیا، گویا شہر اسلام میں اس کا ویزہ لگ گیا اور وہ اس میں داخل ہو گیا تو اب اس کے قواعد اور قوانین پر عمل پیرا ہونا اس کی ذمہ داری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صدق دل سے کلمہ پڑھنے کا ثواب اور اس کی جزاء یہ ہے کہ انسان جہنم کی اس ہولناک اور خطرناک آگ سے محفوظ ہو جاتا ہے جس سے بدترین ٹھکانہ کوئی نہیں۔ نہ صرف یہ کہ جہنم میں اسے داخل ہونے سے بچا کر جہنم کے عذاب سے محفوظ کر لیا جائے گا کہ جہنم کی آگ کو حکم دے دیا جائے گا کہ تو نے اس شخص کو کسی طرح بھی نقصان نہیں پہنچانا۔ یہ بات اس لئے کہی گئی کہ جہنم کی آگ کی تپش بہت دور سے محسوس ہونا شروع ہو جائے گی۔ کلمہ پڑھنے والا اس سے بھی محفوظ ہوگا اور اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا۔

تاہم یہاں اس بات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ عظیم فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ انسان نے اپنے کسی ذاتی مفاد یا دنیوی اغراض و مقاصد کے تحت کلمہ نہ پڑھا ہو بلکہ اس کا مقصد صرف رضاء الہی کا حصول ہو۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اللہ کو راضی کرنے کے لئے کلمہ پڑھے گا تو اس کے تقاضوں پر بھی یقیناً عمل کرے گا اور اس پر جہنم سے چھٹکارا اور جنت میں داخلہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

اس تمام وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو سن کر کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ نجات کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ اس کے بعد سود، رشوت، سٹہ، جوا، چوری، بدکاری، ڈاکہ زنی، قتل و غارتگری، لوگوں کی جائیداد پر ناجائز قبضہ، یتیم کے مال پر ناحق شب خون، جھوٹی گواہی اور حد سے زیادہ عیاشی سب جائز ہے۔ حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید و رسالت کی گواہی اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شرک کی اقسام اور مشرک کا انجام

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل قیامت کے دن اللہ ایک جہنمی سے فرمائے گا، بتا اگر آج تیرے پاس ساری دنیا کا مال ہوتا تو کیا اُسے عذابِ جہنم کے بدلے میں دے دیتا؟ وہ عرض کرے گا: جی اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تو تجھ سے بہت ہاک مطالبہ کیا تھا جبکہ تو آدم کی پشت میں تھا، تو تجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے گا مگر تو نہ مانا اور شرک کر کے رہا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک مشرک کا انجام اور اس کا مقام حسرت و افسوس سے بتایا گیا ہے کیونکہ شرک ایک ایسا گناہ ہے جس کی کوئی معافی نہیں۔ جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا، اس کے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والی تمام ارواح سے لیا تھا۔ ”الست بربکم“ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کسی کو بھی ساجھی، حصہ دار اور شریک ٹھہرانا شرک ہے۔ اس لئے حقیقت توحید سمجھنے کے لئے شرک کی حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

یوں تو شرک کی کئی اقسام ہیں لیکن بنیادی طور پر شرک کی چار اقسام اور چار درجے ہیں:

(۱) ذات میں شرک (۲) صفات میں شرک

(۳) ربوبیت میں شرک (۴) عبادت میں شرک

اب ہم مرحلہ وار ان اقسام کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہے ذات میں شرک۔ یعنی ایک سے زائد خداؤں پر ایمان رکھنا، کسی کو اللہ کی ذات میں شریک سمجھنا، کسی کو اُس کا باپ یا بیٹا ماننا۔ جیسے عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، معاذ

اللہ یا جیسے دور جاہلیت میں عربوں کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کے بیٹے ہیں معاذ اللہ۔

اللہ کو قابل تقسیم شی سمجھنا اور اس کا جزو کسی میں سمجھنا نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث کہ ایک میں تین، تین میں ایک یہ سب شرک فی الذات کی مثالیں ہیں وہ ایک بالکل ایک اور اکیلا ہے۔ دوسرے نمبر پر شرک فی الصفات، یعنی صفاتِ باری تعالیٰ میں کسی کو شریک سمجھنا اور ٹھہرانا لیکن اس مقام پر ایک بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ صفات سے مراد صفاتِ کمال ہیں یعنی جیسی وہ اللہ کے لئے ہیں ویسی کسی میں ماننا شرک ہے۔ ورنہ تو ہم عام طور پر صفاتِ خداوندی یا اس سے متعلق ناموں کو محدود معانی میں انسانوں کے لئے بھی بولتے ہیں۔ جیسے رحیم، کریم، مالک وغیرہ مگر اللہ اور بندے کے رحیم ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس طرح کا فرق دیگر صفات میں بھی نظر آتا ہے اور ویسے بھی ایک محدود اور مقید مفہوم میں صفاتِ باری تعالیٰ کا عکس بندوں پر منعکس ہونا ممکن اور شریعت کے مطابق ہے ورنہ اُس حدیث کا کیا معنی ہوگا:

تَحَلَّقُوا بِاخْلَاقِ اللَّهِ یعنی خود کو آراستہ کرو اللہ کی عادت سے۔ گویا رحم، کرم، شفقت، مہربانی وغیرہ گو کہ بدرجہ کمال تو اللہ تعالیٰ میں ہیں مگر اس کا عکس اور جھلک تم میں بھی نظر آنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کسی کو اللہ ہی کی طرح رحیم، حکیم، کریم وغیرہ مانا جائے تو سراسر شرک اور گمراہی ہے۔

اب ہم جائزہ لیں گے ربوبیت میں شرک کا۔ یعنی توحید کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اس سارے عالم کا خالق، مالک، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اب اللہ کے علاوہ کسی بھی ہستی اور شخصیت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی بھی مافوق الفطرت طریقے سے یعنی بغیر اسباب کے نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے، دعائیں سنتی ہے یا قسمیں سنوارتی یا باگاڑتی ہے تو یہ ربوبیت میں شرک ہوگا کیونکہ یہ تمام امور جن کا ذکر ہوا ان کا تعلق ربوبیت سے ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اور سزاوار ہے۔

شرک کا چوتھا درجہ شرک فی العبادات ہے، یعنی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔

توحید اور شرک میں فرق

آپ جانتے ہیں کہ انسانوں و جنات کی پیدائش کا مقصد خالق کی پہچان اور بندگی ہے جیسا کہ سورہ والذاریات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: میں نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری بندگی کرتے رہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم یہ ہے کہ اس نے نہ صرف عقل کی نعمت عطا فرمائی بلکہ ہر دور میں کتابوں اور رسولوں کے ذریعے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی، نبیوں کی زبانی اپنی پہچان کرائی۔ اب کوئی بھی شخص یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے متعلق علم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ہم نے پیغمبروں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کیلئے اللہ پر کوئی حجت رسولوں کے بعد۔

اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی گناہ شمار ہوتی ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک ”شرک ہے“۔ اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی مغفرت کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے گا اس کے تمام گناہ معاف فرمادے گا اور جس کی گرفت کرنا چاہے گا اسے گناہوں کے بدلے عذاب دے گا لیکن ”شرک“ ایک ایسا باغیانہ فعل ہے کہ اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو اس کی مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو ٹوک فیصلہ فرمادیا ہے کہ:

”بے شک اللہ شرک کی مغفرت نہیں فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے اس کے علاوہ (گناہوں کی) جس کے لئے چاہے اور جس نے شریک بنایا اللہ کے ساتھ بے شک اس نے بڑا گناہ گڑھ لیا۔“ (سورہ نساء، آیت ۴۸)

”بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور حال یہ ہے کہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی بندگی کرو یعنی میرے اور تمہارے

عبادت اور بندگی کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ایسے تمام امور جو عبادت میں شمار ہوتے ہیں مثلاً رکوع، سجدہ، نذر و نیاز، قربانی، طواف، دعائیں وغیرہ یہ سب اللہ کے لئے خاص بلکہ خاص الخاص اور اس کے جملہ حقوق بحق باری تعالیٰ محفوظ ہیں لہذا ان میں سے کوئی بھی عمل کسی غیر اللہ کے لئے بجالانا عبادت میں شرک شمار ہوگا۔ اللہ کے وجود کا انکار تو بہت کم طبقات میں رہا، زمانہ جاہلیت سے لے کر موجودہ دہریت تک کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے وجود کا اقرار تو رہا لیکن مختلف اقوام میں شرک کی ان چاروں قسموں میں سے کوئی نہ کوئی قسم جاری رہی اور تاحال جاری ہے۔

توحید محض ایک دینی عقیدہ نہیں بلکہ پوری زندگی پر مشتمل ایک نظام زندگی ہے جس پر زندگی اپنے تمام شعبوں کے ساتھ نئی روح سے استوار ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندائے توحید کے بعد عوام و حکمران سب آپ کے خلاف ہو گئے۔ توحید کی حقیقت کو اس کے جامع تصور کے ساتھ سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقت توحید سمجھنے اور اپنی زندگی کو اس جادہ حق اور صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

رب کی، یقیناً جو شریک ٹھہرائے اللہ کے ساتھ تو بے شک اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔“ (سورۃ المائدہ، آیت ۷۲)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ شرک کی مغفرت نہیں ہوگی اور مشرک پر جنت حرام کر دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے انسانوں کی طرح تبدیل نہیں ہوا کرتے ہیں۔

قرآن پاک سمیت تمام آسمانی کتابوں و صحیفوں اور انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجے گا مقصد اور کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ مخلوق اپنے خالق کو پہچان لے، اسے وحدۃ لا شریک مان لے اور بت پرستی و شرک کا راستہ چھوڑ کر توحید کا راستہ اختیار کر لے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر صرف اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک، مشکل کشا، حاجت روا، داتا، گنج بخش اور دستگیر ماننے والے بھی مسلمان ہیں اور اللہ کے ساتھ ساتھ بتوں و قبروں کو پوجنے اور انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، اولیاء کرامؓ، باباؤں و اہل مزار کو مشکل کشا، حاجت روا، داتا، گنج بخش اور دستگیر ماننے والے بھی مسلمان ہیں تو پھر (نعوذ باللہ) قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے کی کیا ضرورت تھی؟ یہی عقائد تو مشرکین عرب کے بھی تھے۔ پھر آخروہ کیوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تھے؟ وہ اس مختصر سے کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ سے کیوں بھاگتے تھے؟ اور اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ کہلوانے کی کیا ضرورت تھی؟

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔ (سورۃ الکافرون)۔

نہیں، ہرگز نہیں! اللہ وحدۃ لا شریک کی قسم! اندھیرا اور اجالا، ظلم اور انصاف، مخلوق اور خالق، شر اور خیر، شرک اور توحید برابر نہیں ہو سکتے۔ کوئی بھی شخص یا تو مشرک ہو سکتا ہے یا موحد، اللہ کا دشمن ہو سکتا ہے یا دوست، اللہ کا باغی ہو سکتا ہے یا فرمانبردار! بیچ کا کوئی راستہ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ ”رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی“ یا ”رحمن بھی راضی رہے

خوش رہے شیطان بھی۔“

آج ہمارے پاس یہ فیصلہ کرنے کا وقت ہے کہ ہمیں شرک والے عقیدے کو اپنا کر ابو جہل، ابولہب، فرعون، ہامان و قارون کی تقلید کرنی ہے یا توحید والے صاف ستھرے عقیدے کو اپنا کر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر شیخ عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، فرید الدین اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تک ان بزرگان دین کی تقلید کرنی ہے کیونکہ جو جس کی تقلید کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔

آج فیصلے کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے، کل فیصلے کا اختیار کسی اور کے ہاتھ میں ہوگا جہاں نہ تو یہ عذر قبول کیا جائے گا کہ مجھے پتا نہیں تھا نہ یہ بہانہ چلے گا کہ سب ہی شرک میں مبتلا تھے ہمارے آباء و اجداد سے ہمیں یہی عقیدہ ملا تھا، ہم شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے، غلط علماء کے جال میں پھنس گئے تھے۔ اگر ہم سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے پاس قرآن و حدیث نہیں تھے؟ کیا صحیح علماء دنیا سے ختم ہو گئے تھے؟ کیا تمہیں عقل نہیں دی گئی تھی؟ کیا دنیاوی معاملات میں بھی تم تحقیق اور جدوجہد کے بجائے سنی سنائی پر عمل کرتے تھے؟ ذرا غور کیجئے! ہمارے پاس ان سوالوں کا کیا جواب ہوگا؟ ہم اللہ کی پکڑ اور باز پرس سے کیسے بچ سکیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرک سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے شرک کی بھرپور وضاحت قرآن پاک میں فرمادی ہے۔ اگر ہم اپنا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق بنالیں تب ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ باقی تمام راستے ناکامی و ہلاکت کی طرف جاتے ہیں۔

اس کتاب میں صرف قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے ذریعے شرک اور اس کی اقسام کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ مسلمان اپنا عقیدہ درست کر کے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ بھلا اس میں کسی مسلمان کیلئے اختلاف کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کی ہدایت اور عقائد کی درستگی کا ذریعہ بنادے۔ آمین

توحید کی اہمیت

اسلام کے مختلف شعبے ہیں ان میں سب سے اہم اور کلیدی شعبہ ”توحید“ ہے۔ توحید کا مادہ ”وحدت“ ہے جس کی واؤ کو ہمزہ سے بدل کر لفظ ”احد“ بنتا ہے جس کے معنی ہیں اپنی ذات میں ایک ہونا، منفرد ہونا، یکتا ہونا، اکیلا ہونا، اصطلاح شرع میں توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور حقوق میں ایک، منفرد اور یکتا مانا جائے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کیا جائے نہ اس کی صفات میں اور نہ ہی اس کے حقوق میں۔

توحید تمام اعمال صالحہ کی اصل اور ایمان و اسلام کی روح ہے۔ اگر توحید نہیں تو ایمان و اسلام بھی نہیں۔ بغیر توحید کے تمام اعمال صالحہ بے کار ہیں۔ توحید آخرت میں نجات کیلئے شرط ہے۔ شرک کی موجودگی میں نجات ناممکن ہے۔ قرآن کا حاصل معرفت توحید ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: یہ لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جاویں اور تاکہ اس بات کا یقین کر لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے۔ (سورۃ ص)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں مطلقاً شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اکیلا معبود، حاکم، شارح، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔ (سورۃ قصص)

ترجمہ: وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان رحم والا ہے۔ وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اس

کے اچھے اچھے نام ہیں سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ (سورۃ حشر)

مندرجہ بالا آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بھلا خالق اور مخلوق یکساں کیسے ہو سکتے ہیں؟ کہاں زمینوں و آسمانوں، ستاروں و سیاروں، نباتات و جمادات، جنت و دوزخ، انس و جن، تمام ملائکہ، تمام کائنات اور تمام جہانوں کا خالق و مالک، اربوں و کھربوں سے بھی زائد مخلوق کو روزی دینے والا، انس و جن تو درکنار تمام درندوں، پرندوں، چرندوں اور حشرات حتیٰ کہ انسانی آنکھ سے نہ نظر آنے والے جراثیم و بیکٹیریا کے حال سے پل پل اور مکمل واقف اور خبیر، تمام سمندروں کے ایک ایک قطرے کا حساب جاننے والا، لاتعداد ستاروں و سیاروں کی تعداد جاننے والا، تمام مخلوقات کے حال سے بیک وقت واقف اور تمام مخلوقات کی پکار بیک وقت سننے والا، تمام کرۂ ارض پر موجود ریت کے ذروں کی گنتی جاننے والا، مشرق تا مغرب برسنے والی بارش کے قطروں کی تعداد جاننے والا، زمین اور فضا میں موجود ذرات کے حساب کتاب سے واقف، روزِ اوّل سے روزِ آخر تک ہر شے کے ماضی، حال اور مستقبل سے یکساں باخبر، جن و انس کو عدم سے وجود بخشنے اور دوبارہ پیدا کرنے والا، مٹی سے مکمل انسان کو تخلیق کرنے، طفلِ ناتواں کو کڑیل جوان بنانے اور دوبارہ ضعیف و ناتواں کر کے مٹی میں ملا دینے والا، جنگل بیاباں میں، شب تہائی میں، رات کی تاریکی میں مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے والا اور اشرف المخلوقات سے لے کر ایک حقیر کیڑے تک دل کا حال جاننے والا اور کہاں ضعیف و ناتواں، مجبور و بے بس مخلوق جسے اس کائنات تو کیا اپنے وجود پر بھی کوئی اختیار نہیں، جس کا ایک سانس بھی اس کے قبضے میں نہیں، جو اپنی بھوک مٹانے پر قادر ہے نہ پیاس، جو خوشی کے حصول کی قدرت رکھتا ہے نہ رنج و الم سے بچنے کی، وہ ہواؤں پر قدرت کیا رکھے گا؟ جو خود اپنے سانس پر قادر نہیں، سمندروں پر اختیار کیا رکھے گا جو اپنے پیشاب کے اخراج کی طاقت نہیں رکھتا، بیماروں کو شفا کیا دے گا جو خود کو امراض سے محفوظ نہیں رکھ سکتا، دوسروں کو روزگار اور رزق کیا دے گا جو خود ایک لقمہ کھانے پر قادر نہیں، اوروں کو اولاد کیا دے گا جو خود اولاد کے حصول کا اختیار نہیں رکھتا اور اتنی بڑی کائنات میں تصرف کیا کرے گا جو ایک مکھی سے اپنی چھینی ہوئی چیز واپس لینے سے بھی

معذور ہے۔ میرے رب نے بالکل صحیح فرمایا ہے: ”وَمَا قَدَرُ اللَّهِ حَقَّ قَدْرِهِ“ جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح اسے پہچاننے کا حق ہے۔

در اصل ہماری اس چھوٹی سی کھوپڑی میں، اس محدود عقل میں یہ بات نہیں سمجھ پاتی ہے کہ ایک اللہ، ایک وتہا اس کائنات کا اور تمام جہانوں کا نظام کیسے چلا سکتا ہے؟ نہ اسے انبیاء علیہم السلام کی مدد کی ضرورت ہے نہ اولیاء کرام کی، نہ فرشتوں کی، نہ جنات کی آخر یہ کیسے ممکن ہے؟ یہی وہ بات ہے، یہی وہ راز ہے جسے پانے والے ابو بکر صدیقؓ بن جاتے ہیں، عمر فاروقؓ بن جاتے ہیں، عثمان غنیؓ بن جاتے ہیں، علی مرتضیٰؓ بن جاتے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بن جاتے ہیں، جنید بغدادیؒ بن جاتے ہیں، معین الدین چشتیؒ بن جاتے ہیں، حسن بصریؒ اور رابعہ بصریؒ بن جاتے ہیں، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابن تیمیہؒ بن جاتے ہیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

یہ ہماری کم عقلی و کج فہمی کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم نے خالق کائنات، احکم الحاکمین، احسن الخالقین، رب العالمین کو کمزور و ناتواں، مجبور و معذور، دنیاوی بادشاہوں جیسا سمجھ لیا ہے جو نظام مملکت چلانے کیلئے وزیروں کے بھی محتاج ہیں، سفیروں کے بھی، نائبین کے بھی محتاج ہیں، خادمین کے بھی، گورنروں کے بھی محتاج ہیں، افسروں کے بھی، مال و زر کے بھی محتاج ہیں اور لاؤ لشکر کے بھی، جو رعایا کی خبر گیری اور اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے بچنے کیلئے جاسوسوں کے محتاج ہیں اور جن کی تمام تر تگ و دو کا منشا و مقصد دوام اقتدار کے سوا کچھ نہیں اور جن تک عوام کی براہ راست رسائی ممکن نہیں بلکہ ان تک پہنچنے اور ان تک اپنی بات پہنچانے کیلئے وسیلے، پروٹوکول، اسباب اور تھرو پراپر چینل کی ضرورت ہوتی ہے۔

کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے خول میں بند حکمرانوں پر قیاس کرنے کے بجائے خالق و مالک کائنات کی حیثیت سے پہچانا ہوتا، وہ اللہ جو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے جس کی نظروں سے ہم ایک لمحے کیلئے بھی اوجھل نہیں ہوتے، جو پل بھر کیلئے بھی ہم سے غافل نہیں ہوتا، جو ہم سے زیادہ ہمارے حال سے واقف ہے، جو ہم سے زیادہ ہمارا ہمدرد ہے، جو ستر ماؤں سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔ کاش! ہمیں موت سے پہلے معرفت الہی نصیب ہو جائے۔ (آمین)

شرک بتا ہی کا راستہ

شرک تو حید کی ضد ہے یعنی جہاں شرک ہوگا وہاں تو حید نہیں ہوگی اور جہاں تو حید ہوگی وہاں شرک کا ہونا ممکن نہیں۔ یہ اجتماع ضدین ہے لہذا یہ دونوں کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جس طرح روشنی اور اندھیرا جمع نہیں ہو سکتے لہذا یہ بات بعید از قیاس ہے کہ کوئی شخص اہل ایمان بھی ہو اور شرک میں بھی مبتلا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سب سے زیادہ زور شرک کی برائی اور تو حید کی اہمیت پر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مال کا نہ قبضہ میں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے ہیں جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔ (سورۃ نساء)

ترجمہ: اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان ہی کے گروہ میں بعض ایسے ہیں کہ اس کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں آپ فرمائیے کہ مجھ کو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھ کو جانا ہے۔ (سورۃ رعد)

ترجمہ: اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو نہ تو بد حال بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔ (سورۃ اسراء)

ترجمہ: یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہیں اور اللہ برحق کے ساتھ کوئی اور معبود تجویز مت کرنا ورنہ تو الزام خوردہ اور راندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ (سورۃ اسراء)

ترجمہ: جس نے اللہ کے ساتھ معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ (سورۃ ق)

اقسام توحید

توحید کی تین بنیادی اقسام ہیں:

(1) توحید فی الذات (2) توحید فی الصفات (3) توحید فی الحقوق

اسی طرح شرک کی بھی تین قسمیں ہیں:

(1) شرک فی الذات (2) شرک فی الصفات (3) شرک فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں یکتا، اکیلا اور منفرد ماننا توحید فی الذات ہے اور اس کی ذات میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات میں یکتا، اکیلا اور بے مثل ماننا توحید فی الصفات ہے اور اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا یا اس جیسی صفات کا کسی اور کو حامل سمجھنا شرک فی الصفات ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے حقوق میں یکتا اور منفرد ماننا توحید فی الحقوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا یا شریک سمجھنا شرک فی الحقوق ہے۔

شرک سے اعمالِ صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: اللہ کی ہدایت وہ یہی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر بالفرض یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے۔ (سورۃ انعام)

ترجمہ: اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہو جاوے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ (سورۃ زمر)

شرک معاف نہیں کیا جائے گا

شرک کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ شخص صوم و صلوٰۃ کا پابند اور تہجد گزار ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (سورۃ نساء)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔ (سورۃ نساء)

توحید فی الذات

توحید فی الذات سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ اور بیوی بچوں جیسے عیب سے پاک ہے۔ آسمانوں وزمین کا بادشاہ صرف اللہ ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ جو چیز بھی پیدا کرنا چاہتا ہے تو فقط ”کن“ کہہ دیتا ہے اور وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک ہے، اس نے تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار، افضل البشر اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا شریک نہیں بنایا کیونکہ مخلوق اپنے خالق کی شریک کیسے ہو سکتی ہے؟ لہذا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرمادیا کہ:

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ (سورۃ اخلاص)

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے، آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور وہ جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ (سورۃ مائدہ)

ترجمہ: وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اس کے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (سورۃ انبیاء)

توحید فی الصفات

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کیتا اور لا شریک ہے اس جیسی صفات کا حامل نہ کوئی نبی ہے، نہ صحابی، نہ ولی ہے، نہ بزرگ، نہ جن اور نہ کوئی فرشتہ۔ چونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لہذا یہ تو خود اللہ کے محتاج ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں پھر یہ اس کی صفات میں شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ کے مقرب بندے، جنات و ملائک تو اس کے ساتھ شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور ہم انہیں زبردستی اللہ کا شریک بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ بے وقوفی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اس کے مقرب بندے صرف اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے اور ان کے اور اللہ کے علم کی کوئی نسبت ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آ کر بیٹھ گئی۔ چڑیا نے سمندر میں دو ایک مرتبہ اپنی چونچ ماری، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ”اے موسیٰ میرے علم اور تمہارے علم نے اللہ کے علم میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا مگر اسی قدر جس قدر اس چڑیا نے سمندر کے پانی میں سے چونچ مار کر پانی کم کیا ہے۔“ (یعنی ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے آدم تم بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء سوجب بتلا دیے ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں کہ جس بات کو ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو دل میں رکھتے ہو۔ (سورۃ بقرہ)

ترجمہ: یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر باتیں کرتے ہیں بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔ (سورۃ ہود)

ترجمہ: اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین پورا باخبر ہے۔ (سورۃ ملک)

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ دلوں کی بات صرف اللہ جانتا ہے اس کے علاوہ کوئی نبی، کوئی ولی یا بزرگ دل کی بات نہیں جان سکتا ہے اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے مگر افسوس! ہمارے عقائد اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ ہم پیروں اور بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ دل کی بات جانتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے مریدوں کی 24 گھنٹے خبر رکھتے ہیں اور ہر مشکل میں ان کی دستگیری کرتے ہیں۔ ہماری عام گفتگو میں بھی یہ بات شامل ہوتی ہے کہ ”تم بزرگ ہو کیا جودل کی بات جانتے ہو؟“ نعوذ باللہ۔

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ کو ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”قیامت کے واقع ہونے کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ لقمان کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ سب باتوں کا جاننے والا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا بھی علم کامل نہیں ہے، ہر ایک کا علم ناقص اور محدود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا

ترجمہ: وہ ان سب کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے اور اس کا ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا ہے بے شک آپ بڑے علم والے ہیں حکمت والے ہیں۔

ترجمہ: اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں جو نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں۔ ہم ان کو دوہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جاویں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا علم نہ تو فرشتوں کو ہے اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام کو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب فرشتوں اور نبیوں کو ہر چیز کا علم نہیں ہے تو کسی اور کو کیسے ہو سکتا ہے؟

غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

عالم الغیب یعنی غائب اور پوشیدہ باتوں کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ تو فرشتے غیب دان ہیں، نہ جن، نہ انبیاء علیہم السلام اور نہ کوئی ولی و بزرگ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے ہے کہ وہ عالم الغیب ہے، باقی مخلوق صرف اتنا ہی علم رکھتی ہے جتنا اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ ہر چیز کا علم رکھنا نہ تو مخلوق کیلئے ممکن ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

ترجمہ: جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کریں گے پھر ارشاد فرماویں گے کہ تم کو کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں آپ بے شک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتے ہوں میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی میں تو محض بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

ترجمہ: اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتے ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہر گز ان کو ثواب نہ دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے میں تو اس صورت میں ستم ہی کر دوں۔

ترجمہ: جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر ہے۔
 ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔
 ترجمہ: اور اس شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو اور جب سب آدمی جمع کئے جاویں تو وہ ان کے دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں۔
 ترجمہ: بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا بے شک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو خود جانتا ہو۔ رسول چونکہ خود نہیں جانتے بلکہ انہیں علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا جاتا ہے لہذا وہ عالم الغیب نہیں ہوتے اس لئے کسی دوسرے کو عالم الغیب سمجھنا شرک ہے۔ یہ کوئی اختلافی مسئلہ یا فروعی اختلاف نہیں ہے بلکہ اس مسئلے میں اختلاف کرنا قرآن کی مخالفت کرنا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

رب کائنات کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ بہ یک وقت اور ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، ہر جاندار کی ایک حرکت کو دیکھنے والا اور باخبر ہے۔ یہ صفت کسی انسان، جن یا فرشتے میں موجود ہونا ممکن ہی نہیں لہذا یہ سمجھنا کہ کوئی رسول، فرشتہ یا بزرگ بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہو سکتا ہے نہ صرف یہ کہ شرک ہے بلکہ جہالت اور کم عقلی کی انتہا ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا فیصلہ انسانی عقل کا محتاج ہو بلکہ اس بات کا فیصلہ قرآن میں واضح طور پر کیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: اور آپ کسی حال میں ہوں اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔

ترجمہ: جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو بتلاوے گا اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔

ترجمہ: اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام دیے تھے اور آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو موجود تھے۔

ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

ہر چیز کا مالک اور مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے جو رب العالمین اور خالق کائنات ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کائنات کا خالق تو کوئی اور ہو اور مختار کوئی اور یا پھر اللہ بھی مختار ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس بات کی تردید فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات سے برأت کا اظہار فرمائیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی مختار ہے، وہ بھی اس کائنات اور اس میں موجود چیزوں میں کوئی اختیار رکھتا ہے یا ان میں تصرف کر سکتا ہے لیکن ہم اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر دیں کہ نہیں اللہ بھی مختار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختار ہیں۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ آخر ہم قرآن کے ہر فیصلے کی مخالفت پر کیوں کمر بستہ ہیں؟ دیکھئے اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں:

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے، آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور وہ جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ ترجمہ: اے رسول جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھردھر سنتے ہیں جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے مواقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے سزائے عظیم ہے۔

ترجمہ: اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ پر جمع کر دیتا سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

ترجمہ: اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی یا اس کے ذریعے سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس بات میں دلجمعی نہیں ہوتی کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو تمام آدمیوں کو ہدایت کر دیتا اور یہ کافر تو ہمیشہ اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے کرداروں کے سبب ان

پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جاوے گا یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

ترجمہ: اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

ترجمہ: جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔

ترجمہ: تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان کی کوئی دلیل بھیجی نہیں حکم خدا ہی کا ہے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ جز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ترجمہ: اور جس جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کے رہنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ جاننے والا ہے ان کا خدا کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

ترجمہ: اور (یعقوب نے) فرمایا کہ اے میرے بیٹو سب کے سب ایک ہی دروازہ سے مت جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا اور میں خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کی ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں۔ ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے۔ آپ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب

دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے آپ کہنے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ یہ بھی کہنے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفیتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ کہنے کہ پھر تم کو کیسا ضبط ہو رہا ہے۔

ترجمہ: وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

مندرجہ بالا آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کا بادشاہ صرف اللہ ہے، وہی سرور کائنات ہے، وہی بادشاہ دو جہاں ہے، وہی شاہ دوسرا ہے، اس کی بادشاہت ازل سے ابد تک اور لامحدود و غیر مشروط ہے، وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے تمام انسان، جنات، فرشتے، بزرگ اور انبیاء علیہم السلام مجبور و محتاج ہیں، کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، تمام اختیارات کا وہ واحد مالک ہے، تمام خزانے اسی کے ہاتھ میں ہیں اور دوسروں کے پاس کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جیسی حقیر چیز کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں ہے کہ جسے چاہیں عطا کر دیں۔ وہ تو خود اللہ کے محتاج اور محکوم ہیں، وہ کسی اور کو کیا دے سکتے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرما دیا کہ ”میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جس طرح عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغہ کیا تھا، میں ایک بندہ ہوں بس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“ (صحیح بخاری و مسلم)

روز قیامت شفاعت کا مالک صرف اللہ ہے

آج کل عوام الناس کا یہ عقیدہ بنتا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے مالک ہیں جس کی چاہیں گے اس کی شفاعت فرمائیں گے لہذا عمل خواہ کیسا بھی ہو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرتے رہو اور بس بیڑا پار ہو جائے گا یا کسی بزرگ کا دامن پکڑ لو تو بزرگ کے ساتھ ساتھ تم بھی جنت میں چلے جاؤ گے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے۔ روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اسی طرح

علمائے کرام، بزرگانِ دین اور صالحین کو بھی اجازت دی جائے گی مگر اس کی کچھ حدود و قیود مقرر ہوں گی جن میں بنیادی شرط اس شخص کا صاحبِ ایمان ہونا اور عقائد کا درست ہونا ہے۔ کوئی بھی شخص شفاعت کا حق دار صرف اس صورت میں ٹھہرے گا جب اس کے اعمال میں کچھ کمی ہو نہ کہ عقائد میں۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو نہ تو اسے شفاعت نصیب ہوگی اور نہ ہی کسی کی شفاعت اسے فائدہ پہنچا سکے گی۔

یاد رکھئے! روز قیامت شفاعت کا مالک صرف اللہ ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے شفاعت کی اجازت ملنا اپنے نیک بندوں کے اعزاز و اکرام اور شان کے اظہار کیلئے ہے ورنہ جسے مالک یوم الدین جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ فرمائے تو اسے کسی کی سفارش کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی یعنی اللہ تعالیٰ جسے بخشنا چاہے گا اسی کیلئے شفاعت کی اجازت دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا مرتبہ جس قدر بلند ہوگا روز قیامت اسے شفاعت کا حق بھی اسی قدر زیادہ دیا جائے گا۔ اسی بناء پر ہم دعا مانگتے ہیں ”یا اللہ! ہمیں روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما“، یعنی شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری شفاعت کی اجازت عطا فرما۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہے، سنبھالنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ دیا سکتی ہے اور نہ نیند، اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لاسکتے مگر جس قدر چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عا لیشانِ عظیم الشان ہے۔

ترجمہ: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے کوئی سفارش کرنے والا نہیں بدون اس کی اجازت کے ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو کیا تم پھر بھی سمجھتے۔

ترجمہ: اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔

ترجمہ: ہاں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے تمام آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

ترجمہ: اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے۔

ترجمہ: اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت اجازت دیدے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالی شان سب سے بڑا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (میدانِ محشر میں جب سب لوگ پریشان ہوں گے) تو میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا مجھے اس کے دربار میں آنے کی اجازت دی جائے گی..... میں سجدہ میں گر پڑوں گا..... پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ..... سفارش کرو تمہاری سفارش سنی جائے گی..... پھر اللہ میرے لئے حد مقرر کر دے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

کار ساز صرف اللہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص ان ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں۔

ترجمہ: آپ کہئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا اور کسی کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

ترجمہ: اے نبی! تمہارے لئے تو بس اللہ اور وہ مؤمن لوگ کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے۔

ترجمہ: آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ آپ یہ کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے خدا کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے آپ یہ کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے یا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انہوں نے بھی پیدا کیا ہو جیسا خدا پیدا کرتا ہے پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے غالب ہے۔

ترجمہ: سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کار ساز قرار دیں ہم نے کافروں کی دعوت کے لئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کار ساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے۔

ترجمہ: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا کہ کہتے ہوں گے کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے۔

ترجمہ: وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنے کام سپرد کرنے کے لئے قرار دیئے رہو۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ کار ساز اور بگڑی بنانے والا، مشکل سے نکالنے والا، مصیبتیں اور بلائیں دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بھی

کار ساز نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کو کار ساز اور بگڑی بنانے والا سمجھنا شرک ہے۔

نفع و نقصان پہنچانا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

ترجمہ: آپ یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ترجمہ: تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ جاوے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ ہوگئی اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے۔

ترجمہ: اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکے اور نہ ان کو نفع پہنچا سکے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کیلئے تو کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا خدا کو منظور ہو ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

ترجمہ: آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ آپ یہ کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے خدا کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے آپ یہ کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے یا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے

رکھے ہیں کہ انہوں نے بھی پیدا کیا ہو جیسا خدا پیدا کرتا ہے پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے غالب ہے۔

ترجمہ: اور ان مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو دوبارہ جلانے کا۔

ترجمہ: اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

جس طرح بیٹا اور نابینا، اجالا اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور معبودان باطل برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی ہستیاں ہیں وہ مشکل کشائی کر سکتی ہیں اور نہ نفع و نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ یہ ہستیاں کسی چیز کی بھی خالق و مالک نہیں ہیں اور جب مالک نہیں ہیں تو کسی کو کیا دیں گی اور کہاں سے دیں گی؟

مندرجہ بالا تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے کسی دوسرے کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا یا نفع و نقصان کا مالک نہ سمجھنے کے باوجود اسے تقرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھ کر اس کی عبادت کرنا، اس کو پکارنا، یا رسول اللہ مدد، یا علی مدد، یا غوث الاعظم مدد وغیرہ وغیرہ کہنا کھلم کھلا شرک ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی نذر و نیاز اس نسبت سے کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں ان کے وسیلے سے ہماری مراد پوری ہو جائے گی یہ بھی شرک ہے۔

دعاء و پکار کا مستحق صرف اللہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں منظور کر لیتا ہوں عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے

سوان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ لوگ رشد (ہدایت) حاصل کر سکیں گے۔

ترجمہ: آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو بلکہ خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ۔

ترجمہ: سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلاوے ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جاوے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آویں گے تو کہیں گے وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

ترجمہ: واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ وہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔

ترجمہ: اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

ترجمہ: سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلانے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ اس کے منہ تک آ جاوے اور وہ اس کے منہ تک آنے والا نہیں اور کافروں کی درخواست کرنا محض بے اثر ہے۔

ترجمہ: اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جاویں گے۔

ترجمہ: اے لوگو ایک عجیب مثال بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو اس میں کوئی شبہ نہیں

کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جاویں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی تعظیم کرنا چاہئے تھی وہ نہ کی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔

ترجمہ: سو تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے۔

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

ترجمہ: وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری سنیں گے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے اور تجھ کو خبر رکھنے والے کے برابر کوئی نہیں بتلائے گا۔

ترجمہ: آپ کہئے کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ سا جھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں۔

ترجمہ: وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دو بار زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالی شان بڑے رتبہ والا ہے۔

ترجمہ: سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو گو کافروں کو ناگوار ہو۔

ترجمہ: اور اس شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت

تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔

ترجمہ: اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں۔ سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔ ترجمہ: آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ترجمہ: یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل۔

دعا سب سے بڑی عبادت اور عبادت کا مغز ہے لہذا اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا اس کی عبادت کرنا ہے جس کا شرک ہونا بالکل واضح ہے۔ درجہ بالا 24 آیات اور ان جیسی دوسری بے شمار آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی پکار براہ راست سنتا ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں سے ایک نام ”سمیع“ بھی ہے جس کے معنی ہیں ”سننے والا“ اور سمیع وہی ہو سکتا ہے جو تمام مخلوق کی پکار بہ یک وقت اور ہر وقت سن سکتا ہو جس کی یہ خاصیت نہ ہو وہ عبد السمیع تو ہو سکتا ہے سمیع نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تو علیم و خیر ہے۔ وہ تو دل کی آواز سننے والا، دلوں کا حال جاننے والا اور بن کہے سنے، ہر ایک کے حال کی خبر رکھنے والا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کو سننے کیلئے کسی وسیلے یا سیڑھی در سیڑھی کی ضرورت نہیں ہے۔ آیات بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار مکہ مصیبت کے وقت اللہ ہی کو پکارتے تھے لیکن بزرگوں کو وسیلہ سمجھ کر ان کی بھی عبادت کر لیا کرتے تھے اور ان کو بھی کبھی کبھی پکار لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو بھی شرک قرار دیا۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین عرب جب سمندری طوفان یا دریا میں پھنس جاتے تھے تو وہ صرف اللہ کو پکارتے تھے لیکن موجودہ دور کے مشرکین تو ابو جہل اور ابولہب سے بھی بڑھ کر ہیں جنہیں سمندر یا دریا میں بھی اللہ کو پکارنے کا خیال نہیں آتا بلکہ وہ بزرگوں اور باباؤں کو مدد کیلئے پکارتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ایک خوبصورت اور آسان مثال کے ذریعے ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح پانی کا دور سے منہ تک پہنچنا ناممکن ہے اسی طرح اللہ کے علاوہ دوسروں تک ہماری پکار کا پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ پکارنا اسے چاہئے جو الہ ہو، خالق و

مالک ہو، باقی رہنے والا ہو جو با اختیار ہو اور ایسا کوئی نہیں سوائے اللہ کے لہذا کسی دوسرے کو مدد، حاجت روائی یا مشکل کشائی کیلئے پکارنا اسے الہ بنانا ہے جو شرک ہے۔ مشرکین سے جب اللہ اکیلے کو پکارنے کیلئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ بڑے بے ادب ہیں، بزرگوں کو نہیں مانتے، اولیاء کرام کو نہیں مانتے اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ بزرگوں کو پکارا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ صحیح ایمان والے اور صحیح عقیدے والے ہیں۔ تمام مخلوقات سے منہ موڑ کر صرف اللہ کو پکارنے کا حکم تو خود اللہ دے رہا ہے۔ ذرا سوچنا چاہئے کہ اس صورت میں گستاخ کسے کہا جا رہا ہے؟

مدد صرف اللہ کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو ترار ہو جاوے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم ہیں۔ ترجمہ: اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے۔

ترجمہ: اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ باعث عزت ہوں ہرگز نہیں وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوانہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے۔

ترجمہ: یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور خدا کے سوانہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

ترجمہ: کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنانا سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں

اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جاوے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدد وہی کر سکتا ہے جو خالق ہو، مخلوق بغیر اسباب کے کسی کی مدد نہیں کر سکتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو کسی کی مدد کر سکے اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو مدد کیلئے پکارا جاتا ہے وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے ہیں تو دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟ لہذا خالق کے علاوہ کسی مخلوق کو مددگار سمجھنا شرک ہے۔

رزق دینے والا صرف اللہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

ترجمہ: اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب چیزیں کتاب مبین میں ہیں۔

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے واسطے اس میں معاش کے سامان بنائے اور ان کو بھی معاش دی کہ جن کو تم روزی نہیں دیتے اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتار دیتے رہتے ہیں۔

ترجمہ: اور (یہ) اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ قدرت رکھتی ہیں۔

ترجمہ: انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے

فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔

ترجمہ: تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ترجمہ: اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو چلائے گا کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

ترجمہ: اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

ترجمہ: کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ کی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے۔

ترجمہ: اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اترتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاعِ قلیل کے اور کچھ بھی نہیں۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جاویں کیا پھر بھی خدائے تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

ترجمہ: کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں۔

ترجمہ: اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ باقی رکھتا ہے۔

ان تمام آیات کا حاصل یہ ہے کہ نہ صرف انسانوں و جنات بلکہ کیڑوں مکوڑوں سمیت تمام مخلوق کو رزق اللہ ہی دیتا ہے اور اس نے خود ہی یہ ذمہ لیا ہے۔ مخلوق نہ تو کسی کو رزق دینے کا اختیار رکھتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے لہذا مزاروں پر جا کر قبر والوں اور باباؤں سے رزق، شفا، اولاد اور دیگر چیزیں مانگنا نہ صرف یہ کہ بے وقوفی ہے بلکہ شرک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے رزق اور دولت کی فراوانی کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا رزق اور معیشت تنگ کر کے اسے آزمائش میں مبتلا کر دے تو کس بزرگ یا مزار والے بابا میں اتنی طاقت ہے کہ اس کی تنگی دور کر سکے؟ داتا، دستگیر، گنج بخش، مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ ہی ہے۔ مخلوق کو ان صفات کا حامل سمجھنا شرک ہے۔ کیا ہمارے لئے اللہ اکیلا ہی کافی نہیں ہے؟ چھوٹے چھوٹے خدا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

مشکل کشا صرف اللہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ترجمہ: آپ کہتے ہیں کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو اس سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جاویں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔

ترجمہ: اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچا دے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں مبذول فرما دیں اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں۔

ترجمہ: اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو پھر جب تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں

کی ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل۔

ترجمہ: اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے اور جتنوں کی تم عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم پھر روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان ہے بڑا ناشکرا تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ تم کو خشکی کی جانب میں لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی تندہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاوے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے پھر اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو نہ ملے۔

ترجمہ: کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ ان کی حفاظت کر لیتے ہیں وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

ترجمہ: کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔

ترجمہ: پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے آپ کہنے کہ بھلا پھر یہ بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔ آپ کہہ

دیتے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ وہ بزرگانِ دین جن کو لوگ مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلب گار رہتے ہیں، وہ کسی کی مشکل کیا دور کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے مشرک کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب اللہ اس سے مصیبت دور کر دیتا ہے تو وہ بدستور دوسروں کو مشکل کشا سمجھنے لگتا ہے، ان کی نذروں کی نذر دیتا ہے، چڑھاوے چڑھاتا ہے، ان کی آستانہ بوسی کرتا ہے حالانکہ یہ سب شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے اس کے علاوہ نہ تو کوئی مشکل کشا حاجت روا ہے اور نہ ہی قیامت تک ایسا ممکن ہے۔

آج مسلمانوں نے اپنے بہت سے مشکل کشا اور حاجت روا بنا رکھے ہیں۔ کچھ بین الاقوامی سطح کے ہیں جیسے علیٰ مشکل کشا، غوث الاعظم دکنی، بلاگردان اور خواجہ غریب نواز وغیرہ، کچھ ملکی سطح کے ہیں جیسے داتا گنج بخش، لعل شہباز قلندر، بری امام وغیرہ، کچھ صوبائی سطح کے ہیں جیسے عبداللہ شاہ غازی، بہاء الدین زکریا، زیارت کا صاحب وغیرہ جبکہ علاقائی سطح پر تو ہر شہر و گاؤں میں چھوٹے چھوٹے مشکل کشا موجود ہیں۔ (نعوذ باللہ) ہندو بھی تو یہی سب کچھ کرتے ہیں پھر ہم میں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ اگر ہم مسلمان ہیں تو وہ کافر کیوں اور اگر وہ کافر ہیں تو ہم کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں؟

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات مگر بات یہ ہے کہ اللہ جسے ہدایت نہ دے وہ یوں ہی در در بھٹکتا رہتا ہے، ذلیل و خوار ہوتا رہتا ہے۔

نذروں کا صرف اللہ کیلئے مخصوص ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاؤز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو ہوس دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا۔

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچے سے گر کر مر جاوے اور جو کسی کی نکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالا اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سوان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کیلئے پسند کر لیا پھر جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نہ بھیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے جو بھیتی اور مولیٰ پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ مردار ہو یا یہ کہ بہتا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاؤز

کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

ترجمہ: سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے۔

ترجمہ: اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں قسم ہے خدا کی تم سے تمہاری ان افتراء پر دازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی۔

ترجمہ: تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ بالکل بے قرار ہو جاوے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

اپنی نذر و نیاز میں شیطان کا حصہ تو کوئی بھی مقرر نہیں کرتا البتہ شیطان کے بہکانے سے اللہ کے علاوہ دوسروں کی نذر و نیاز کرتے ہیں، بس یہی شیطان کا حصہ ہے جس کا ذکر سورہ نساء میں کیا گیا ہے۔ جانوروں کے کان چیر کر یا انسانوں کا کان چھید کر یا اعضاء میں کوئی اور تبدیلی کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نذر کر دینا یہ سب شیطانی کام اور شرک ہیں۔

سورہ مائدہ میں جن جانوروں بحیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حام کا ذکر ہے وہ غیر اللہ کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ سب کام باطل ہیں۔ سورہ انعام کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کے نزدیک غیر اللہ کے حصے کی بڑی اہمیت و خصوصیت تھی، ان کی نذر و نیاز میں فرق یا کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ یہی حال آج کے نام نہاد مسلمانوں کا بھی ہے کہ نماز، روزہ چھوٹ جائے، فرائض و واجبات ادا نہ ہو سکیں، قرآن و سنت کی مخالفت ہو جائے کوئی پرواہ نہیں، چہرے پر کسی پریشانی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے مگر مزار والے باباجی کے نام پر جانور قربان کرنے یا دیگ اور چادر چڑھانے کی منت پوری نہ کر پائیں تو انہیں اپنی دنیا و آخرت کی تباہی کا یقین ہو جاتا ہے۔ دن کا جین رات کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ ہر لمحہ باباجی کے غضب کا شکار ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اللہ کی پناہ! غضب الہی سے نہیں ڈرتے، قادر و قدیر کی پکڑ سے خوفزدہ نہیں ہوتے، مجبور، بے بس و محتاج باباجی کے عتاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ سچ ہے کہ جو رب سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی زندگی بھر بھٹکا تا رہتا ہے۔ کبھی ایک مزار پر، کبھی دوسرے مزار پر، گھر سے دو

قدم پر واقع مسجد نہیں جاتے، رگ جاں سے زیادہ قریب اللہ سے نہیں مانگتے مگر اپنی پریشانیوں کے حل کیلئے کبھی سہون جاتے ہیں، کبھی ملتان جاتے ہیں، کبھی لاہور جاتے ہیں، کبھی اجیر جاتے ہیں اور کبھی بغداد جاتے ہیں۔ سچ ہے کہ جسے اللہ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جسے اللہ نور نہ دے اسے نہ تو شاہ عقیق سے نور مل سکتا ہے نہ شاہ نورانی سے۔ پھر منہ میڑھا کر کے کہتے ہیں کہ اللہ ہماری نہیں سنتا۔ ارے بد بخت! تو نے اللہ سے مانگا ہی کب؟ تو تو غیر اللہ کے پاس بھٹکتا رہا۔ ان غلاموں سے منہ موڑ کر کبھی بادشاہ حقیقی سے مانگ کر تو دیکھ۔ قبروں پر ماتھا ٹیکنے کے بجائے ان کے رب کو سجدہ کر کے تو دیکھ، شرک کو چھوڑ کر توحید کے رستے پر چل کر تو دیکھ، تو خود ہی جان جائے گا کہ سکون قلب، راحت و اطمینان، کامیابی و کامرانی اور پریشانیوں سے نجات کس در سے ملتی ہے۔

عزت و ذلت دینے والا صرف اللہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: آپ یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ترجمہ: جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سوا عزا تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

ترجمہ: اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ خدا ہی کیلئے ہے وہ سنتا ہے جانتا ہے۔

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے۔

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ عزت و ذلت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

مخلوق نہ کسی کو عزت دے سکتی ہے نہ ہی ذلیل کر سکتی ہے لہذا کسی دوسرے کو عزت و ذلت دینے والا سمجھنا شرک ہے۔

مال و دولت اور خزانوں کا مالک صرف اللہ ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتے ہوں میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟

ترجمہ: اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں تمام ترغیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتے ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے میں تو اس صورت میں ستم ہی کر دوں۔

ترجمہ: اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتار تے رہتے ہیں۔

ترجمہ: وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام خزانوں کا مالک صرف اللہ ہے۔ افضل ترین انسانوں کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کے خزانے نہیں ہیں۔ جب انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اللہ کے خزانے نہیں ہیں تو کسی بزرگ یا مزار والے بابا کو خزانوں کا مالک و گنج بخش سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ کیا قرآن کی وضاحت کے بعد بھی کسی مخلوق کو اللہ کے خزانوں میں شریک سمجھنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

نظر بد سے بچانے والا صرف اللہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اور (یعقوب نے) فرمایا کہ اے میرے بیٹے سب کے سب ایک ہی دروازہ سے مت جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا اور خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ نظر بد سے بچانا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ گنڈے، کالے دھاگے، کالاتل، کالا بکرا وغیرہ وغیرہ نہ تو نظر بد سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی لگنے والی نظر کو ختم کر سکتے ہیں۔ نظر بھی اللہ کے حکم سے لگتی ہے اور اس سے بچنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے یعنی سورۃ اخلاص و معوذتین پڑھ کر دم کرنا اور کسی بھی اچھی چیز کو دیکھ کر ماشاء اللہ کہنا۔

کائنات کا نظام چلانے والا صرف اللہ ہے

رب کائنات فرماتا ہے:

ترجمہ: آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

ترجمہ: کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو کوئی نہیں تھا متاثر اللہ کے اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔

ترجمہ: بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس پانی سے بارونق باغ اگائے تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ ان میں زیادہ تر سمجھتے بھی نہیں۔

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقرر وقت تک

چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔

ترجمہ: وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا وہ حلیم غفور ہے۔

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک پوری کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اسے اس کام کیلئے کسی معاون کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی اس نے علاقے تقسیم کیے ہوئے ہیں کہ فلاں علاقے کا نظام شیخ عبدالقادر جیلانی چلائیں گے، فلاں علاقے کا فرید الدین (المعروف داتا صاحب)، فلاں علاقے کا معین الدین چشتی اور فلاں علاقے کا لعل شہباز قلندر۔ میرا رب دنیاوی بادشاہوں کی طرح بے بس محتاج نہیں ہے، نہ ہی وہ تھکتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ وہ ان تمام کمزوریوں و خامیوں سے پاک ہے۔ وہ تو صرف حکم کرتا ہے کہ ”ہو جا“ اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ جب خالق کائنات اس میر العقول سسٹم کو تخلیق کر سکتا ہے تو اسے چلانا اس کیلئے کیا مشکل ہے؟ اس کی بنائی ہوئی کائنات کو انسان ابھی مکمل طور پر دریافت بھی نہیں کر سکا ہے، اسے تسخیر کرنا اور چلانا تو بہت بڑی بات ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان نئے نئے ستارے، سیارے، دنیا کی اور مخلوقات دریافت کر رہا ہے جو انسان کے محدود علم اور بے اختیار ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ ایسے میں یہ دعویٰ کرنا کہ انسان نظام کائنات چلانے میں شریک ہے یا کوئی ولی، غوث، قطب اور ابدال یہ نظام چلانے کیلئے ناگزیر ہے یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس سے بڑھ کر جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔

شفاء دینے والا صرف اللہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کرتے تو اس طرح دعا فرماتے تھے ”اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور کر دے، شفاء عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، کوئی شفاء نہیں سوائے تیری شفاء کے، ایسی شفاء دے کہ کوئی بیماری نہ چھوڑے۔“

مذکورہ بالا آیات اور حدیث مبارکہ اس بات کی وضاحت کیلئے کافی ہیں کہ شفاء دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ حتیٰ کہ نبیوں کے سردار بھی اللہ کے دربار میں شفاء دینے کی درخواست کیا کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ شفاء دینا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں بھی نہیں تھا پھر آپ سے بڑھ کر کون ہے جو شفاء دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ اللہ کے علاوہ اوروں سے شفاء مانگنے والے جسمانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ ذہنی بیمار بھی ہیں لہذا انہیں پہلے اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہئے۔

توحید فی الحقوق

عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

ترجمہ: یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں تو ان کے باہمی اختلافات کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور کافر ہو۔

ترجمہ: اور من جملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور جائے امن مقرر کیا اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔

ترجمہ: محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے

سامنے عاجز بنے ہوئے۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت صرف خالق کی کرنی چاہئے نہ کہ مخلوق کی۔ سجدہ، رکوع اور قیام بھی عبادت میں شامل ہے لہذا اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ کرنا، رکوع کرنا، طواف کرنا اور نماز جیسا قیام کرنا شرک ہے، قبروں پر سجدے کرنا، طواف کرنا، مخلوق کی تعظیم میں بے حس و حرکت کھڑے رہنا اور لوگوں کے سامنے تعظیماً سر جھکانا یہ سب شرک ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ ان آیات میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کی عبادت انہیں خالق، مختار، حاجت رویا مشکل کشا سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھ کر کرتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے شرک کی جڑ کاٹنے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ سفارشی سمجھ کر عبادت کرنا بھی شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے کسی کو وسیلہ سمجھ کر اس کی عبادت کرنا، اسے پکارنا یا اسے کارساز سمجھنا بھی شرک ہے۔

قسم صرف اللہ کی کھانی چاہیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

☆ ”جو شخص قسم کھائے تو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے (یعنی قسم نہ کھائے)“ (صحیح بخاری و مسلم)

☆ ”جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“ (ابوداؤد، ترمذی) آج ہماری یہ عادت بن چکی ہے کہ ایک تو بات بات پر قسم کھاتے ہیں جبکہ جھوٹے آدمی کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ قسمیں زیادہ کھاتا ہے لہذا قسمیں کھانے سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اگر قسم کی بہت ہی شدید ضرورت پڑ جائے تو صرف اللہ کی قسم کھانی چاہئے۔ اولاد کی قسم، والدین کی قسم، جان کی قسم، سر کی قسم، انبیاء علیہم السلام کی قسم، ملائکہ کی قسم، بزرگوں کی قسم حتیٰ کہ کعبہ کی قسم کھانا بھی ممنوع اور شرک ہے لہذا غیر اللہ کی قسم کھانے سے بچنا چاہئے۔

عید کی طرح اجتماع کرنا صرف اللہ کیلئے مخصوص ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”میری قبر کو عید مت بنانا البتہ مجھ پر درود بھیجتے رہنا اس لئے کہ بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔“ (ابوداؤد)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قبروں پر عید کی طرح اجتماع کرنا قطعاً حرام ہے لہذا مختلف مزاروں پر منعقد ہونے والے بزرگوں کے عرس اور میلے ٹھیلے وغیرہ ممنوع ہیں۔ اپنا ایمان بچانے کیلئے ایسے اجتماعات سے بچنا از حد ضروری ہے۔

وہ کام جن کا کرنا کفر یا شرک ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اور انہوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا مگر شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو سو لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو ان کو ضرر رساں ہیں اور ان کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک بری ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو عقل ہوتی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جادو کفر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا ”اے کافر“ تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔ اگر وہ کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ آئے گا۔“ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: سو جب ان پر خوش حالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے اور اگر ان

کو کوئی بد حالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”بدشگونی لینا شرک ہے۔“ (ترمذی) ”جس شخص کو بدشگونی (اس کے) کام سے روک دے تو اس نے یقیناً شرک کیا۔“ (بلوغ الامانی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”قال دیکھنے کیلئے پرندوں کو اڑانا، زمین پر خط کھینچنا اور بدشگونی لینا یہ سب بت پرستی کی قسمیں ہیں۔“ (فتح المجید)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی کا ہن یا نجومی کے پاس آئے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔“ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جو کفر ہیں، نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ و ماتم کرنا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔“ (صحیح بخاری و مسلم)

”میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔“ (صحیح بخاری و مسلم) آج کل شرک پھیلانے کا ایک ذریعہ نعتیں بھی بن گئی ہیں۔ اکثر نعتوں میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں عیسائیوں کی طرح مبالغے سے کام لیتے ہوئے شرکیہ اشعار شامل کر دیے جاتے ہیں اور وہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ اس میں

بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کہیں ہم عقیدت کا اظہار کرتے کرتے اپنا عقیدہ نہ خراب کر بیٹھیں جس سے ”نیکی برباد، گناہ لازم“ کا مصداق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے عقائد کی

اصلاح و حفاظت فرمائے۔ (آمین)

خلاصہ

- خلاصہ ان تمام آیات قرآنی و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ مندرجہ ذیل عقائد و افعال شرک ہیں جس سے توبہ کئے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے:
- (1) اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور حقوق میں یکتا، اکیلا، منفرد اور بے مثل ہے، اس کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی اور کو شریک کرنا شرک ہے (سورہ اخلاص)۔
 - (2) ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو بھی ایسا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ بقرہ)
 - (3) دلوں کی بات صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، کسی اور کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ (سورہ فاطر)
 - (4) غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی اور کو غیب دان سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ نمل)
 - (5) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، کسی اور کو حاضر و ناظر سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ حدید)
 - (6) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک و مختار ہے، کسی اور کو مالک یا مختار کل سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ مومنون)
 - (7) تمام مخلوقات کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو بادشاہ یا سرور کائنات سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ فاطر)
 - (8) روز قیامت شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو شفاعت کا مالک سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ بقرہ، زمر)
 - (9) کارساز اور بگڑی بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو کارساز سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ عنکبوت، کہف)
 - (10) نفع و نقصان پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کو نفع و نقصان پہنچانے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ انعام)

- (11) کسی کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ یا سفارشی سمجھ کر اسے پکارنا، اس کی عبادت کرنا بھی شرک ہے۔ (سورہ یونس)
- (12) دعاء و پکار کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو پکارنا شرک ہے۔ (سورہ بقرہ)
- (13) مدد صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے کسی اور سے مدد مانگنا شرک ہے۔ (سورہ آل عمران)
- (14) رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو رزق، شفاء یا اولاد دینے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ عنکبوت)
- (15) مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو مشکل کشا و حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ انعام، نمل)
- (16) نذر و نیاز کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کی نذر و نیاز کرنا شرک ہے۔ (سورہ مائدہ)
- (17) عزت و ذلت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کو عزت و ذلت دینے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ حج)
- (18) تمام خزانوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو داتا، دستگیر، گنج بخش یا خزانوں کا مالک سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ انعام)
- (19) نظر بد سے بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو نظر بد سے بچانے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ یوسف)
- (20) کائنات کا نظام چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو کائنات کا نظام چلانے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ سجدہ)
- (21) شفاء دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو شفاء دینے والا سمجھنا شرک ہے۔ (سورہ شعراء: ۸۲)
- (22) عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی اور کو عبادت کا مستحق سمجھنا، سجدہ و رکوع کرنا، تعظیماً سر جھکانا، بے حس و حرکت کھڑے رہنا اور طواف کرنا بھی شرک ہے۔ (سورہ زمر)

(23) قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھانی چاہئے کسی اور کی قسم کھانا شرک ہے۔ (صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

(24) عید کی طرح اجتماع کرنا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے، مزاروں وغیرہ پر اجتماع کرنا حرام ہے۔ (ابوداؤد)

(25) جادو کفر ہے اور بدشگونی، فال نکالنا اور نجومی کی بات کا اعتبار کرنا شرک ہے۔ (فتح المجید)

یاد رکھئے! مندرجہ بالا تمام باتوں سے بچے بغیر جنت میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ شرک سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور دنیا میں نیک و پرہیزگار تصور کیا جانے والا شخص قیامت کے روز نافرمانوں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ حیرت اس شخص پر نہیں ہے جو گرجا یا مندر سے نکل کر جہنم میں چلا جائے۔ افسوس تو اس پر ہے جو مسجد سے نکل کر جہنم میں چلا جائے۔ آج وقت ہے ہم اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ قیامت کے روز نہ توبہ کام آئے گی نہ خون کے آنسو بہانا۔

شرک سے متعلق ان 25 نکات کو بار بار پڑھئے بلکہ یاد کر لیجئے اور اپنے عقائد کو اس کسوٹی پر پرکھتے رہئے۔ یہ اپنا عقیدہ قرآن کے مطابق بنانے اور ایمان بچانے کیلئے اتنا ہی ضروری ہے جتنی زندہ رہنے کیلئے آکسیجن۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرک سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انبیاء سے متعلق ہمارے بے لاگ تبصرے

اس ملک کے مسلمانوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، دینی حمیت اور جذبہ ایمانی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جس کا مظاہرہ ہماری آنکھوں کے سامنے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ دنیا بھر میں کہیں بھی قرآن پاک یا شعائر اسلام کی توہین کی جائے، بالخصوص خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی کی خبر ملتے ہی پوری قوم سراپا احتجاج بن جاتی ہے، احتجاجی مظاہرے، ہڑتالیں، جلسے جلوس، کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کر کے اس توہین کے مرتکب افراد کو قرار واقعی سزا دینے اور گستاخ ممالک کے ہر سطح پر بائیکاٹ کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور بلا شک و شبہ ہر شخص کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر اتفاق سے وہ گستاخ رسول اس کے ہاتھ لگ جائے تو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس کی ٹکا بوٹی کر ڈالے۔

ان تمام حقائق کے باوجود ایک تلخ اور بھیانک حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے اکثریت نا دانستہ طور پر انبیاء کی شان میں گستاخی اور توہین انبیاء کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خود کو کسی علامہ، مفتی یا فقیہ سے کم نہیں سمجھتا، بالخصوص جب محفل میں گرم گرم بحث چھڑ جائے تو موضوع خواہ کوئی بھی ہو اور اس سے متعلق کچھ شدید ہویا نہ ہو اس کے باوجود ہر شخص اس میں بھرپور شرکت کو اپنا فرض سمجھتا ہے تاکہ دوسرے لوگ اسے کم علم نہ سمجھیں اور پھر صرف شرکت ہی کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ کوئی منفرد نکتہ، اچھوتا خیال اور نیا شوشہ چھوڑنا بھی لازمی تصور کیا جاتا ہے تاکہ حاضرین مجلس کو مرعوب کیا جاسکے۔

ہماری یہ عادت اس قدر پختہ ہو چکی ہے کہ اب ہم انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات و افعال پر بھی اسی طرح بے لاگ تبصرے کرنے لگے ہیں جیسے اپنے دوستوں، یاروں، سیاستدانوں، ملکی حالات اور بین الاقوامی صورت حال پر کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں جبکہ ہم اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام انبیاء معصوم تھے اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرمادیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو انبیاء اور صحابہ کرامؓ سے راضی ہے مگر ہم ان کی ”غلطیوں“ کی نشاندہی کر کے ان سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں۔

بہت سے لوگوں کو اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے سنا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے جنت میں اللہ تعالیٰ کی جو نافرمانی کی تھی اس کے باعث انہیں زمین پر پھینک دیا گیا، بس ایک فوری جذبے نے جوشیطانی تحریک کے زیر اثر ابھرا آیا تھا، ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔

حضرت یوسفؑ نے قید کے دوران ایک قیدی سے اس کی رہائی کے وقت یہ کہا تھا کہ رہا ہونے کے بعد بادشاہ سے میری بے گناہی کا تذکرہ کر کے میری رہائی کی سفارش کرنا، غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزرا لہذا یوسفؑ نے سفارش کے لئے 12 الفاظ استعمال کئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزائے قید 12 سال بڑھا دی، اسی طرح حضرت یوسفؑ نے شاہ مصر سے جو یہ کہا تھا کہ ”مجھے زمین مصر کے خزانہ کا نگران مقرر کر دیجئے“ تو یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں یوسفؑ کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھیں جو اٹلی میں مسولینی کو حاصل تھی۔

حضرت نوحؑ کا تذکرہ یوں کیا جاتا ہے ”بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے..... لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا۔ اسے محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پروا ہو اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا متفقہ ہے“

حضرت موسیٰؑ کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقے میں بغاوت پھیل جائے۔

حضرت داؤدؑ نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اور یا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔ حضرت داؤدؑ کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانبردار کو زیب نہ دیتا تھا۔

حضرت زکریاؑ اپنی قوم سے بچنے کے لئے بھاگے تو انہوں نے قوم کے شر سے بچنے کے

لیے ایک درخت سے پناہ مانگی، درخت بیچ میں سے کھل گیا اور زکریاؑ درخت کے اندر روپوش ہو گئے مگر ان کی قمیض کا دامن تھوڑا سا درخت سے باہر رہ گیا جس کی وجہ سے قوم کو پتہ چل گیا لہذا انہوں نے درخت کو بیچ میں سے کاٹنے کا فیصلہ کیا، اب زکریاؑ گھبرائے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے درخت سے پناہ کیوں مانگی، مجھ سے کیوں نہیں مانگی لہذا اب تمہاری سزا یہ ہے کہ درخت کے ساتھ تم بھی کٹ جاؤ ورنہ تمہاری نبوت سلب کر لی جائے گی، پس زکریاؑ کو بھی درخت کے ساتھ ہی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی، حضرت موسیٰؑ نے مکہ مار کر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑنے کے بعد اپنی قوم سے جھوٹ بولا تھا وغیرہ لہذا یہ تمام انبیاء قیامت کے روز اپنے گناہوں کی وجہ سے کانپ رہے ہوں گے۔

حضرت یوسفؑ نے سوچا کہ میں اتنا خوبصورت ہوں، اگر میں غلام ہوتا تو بڑی بھاری قیمت میں بکتا، اس غلط خیال کی وجہ سے وہ انتہائی کم قیمت میں فروخت ہوئے۔ وغیرہ وغیرہ اس طرح کے بے شمار واقعات اور بہت سی باتیں مزے لے لے کر کی جاتی ہیں، بغیر یہ سوچے سمجھے کہ ان روایات کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ ان میں سے جو صحیح ہیں ان میں خالق کائنات کی کیا مصلحتیں پوشیدہ تھیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ انبیاء کا مقام کیا ہے اور ان کے آگے ہماری حیثیت کیا ہے جو ہم ان پر تنقید کر کے اپنی زبان اور قلم کو آلودہ اور نامہ اعمال کو سیاہ کریں؟ کسی بھی شخص کا محاسبہ اس سے اوپر کی عدالت ہی کر سکتی ہے اور انبیاء کے حوالے سے یہ مقام یا تو سردار الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے یا پھر خود احکم الحاکمین کا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، پورے ذخیرہ حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں کسی نبی پر تنقید کی گئی ہو، ان کی کسی غلطی کی نشاندہی کی گئی ہو یا ان کی شان میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کمی کا شبہ پایا جاتا ہو حتیٰ کہ تنقید تو کیا ایک نبی کو دوسرے نبی پر فوقیت دینے سے بھی منع فرما دیا۔ جہاں تک خالق کائنات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی تمام انبیاء کو معصوم قرار دے دیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ نبی ہر کام اللہ کے حکم سے کرتا ہے، اپنے نفس کا اتباع نہیں کرتا اور انبیاء کے وہ کام جو بظاہر نامناسب معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی من جانب اللہ ہوتے ہیں جن میں بے شمار مصلحتیں اور امتیاز کے لئے سبق ہوتا ہے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہماری تو انبیاء کے مقابل وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو ایک عادل حکمران یا ولی اللہ کے مقابلے میں ایک بھنگی کی ہوتی ہے، کہاں قدوسیوں کا وہ گروہ جسے خالق کائنات نے اربوں انسانوں میں سے چن کر انہیں تمام انسانوں کے لیے نمونہ اور مصلح بنایا اور کہاں ہم کہ پتہ نہیں اللہ کے ہاں ہمارا شمار مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

اخلاقی زبوں حالی کے شکار موجودہ دور میں بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے باپ نے یہ غلطی یا نافرمانی کی تھی جس کی اسے یہ سزا ملی تو ہر شخص اسے لعن طعن کرے گا جبکہ بہت ممکن ہے کہ وہ سچا ہو مگر باپ کا احترام بھی کوئی چیز ہے تو پھر کسی شخص کو انبیاء جیسے معصومین پر بے لاگ تبصروں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ جن سے رب کائنات راضی ہے ان سے ناراض ہو کر ہم کسے خوش کرنا چاہتے ہیں؟ لہذا ہمارے ایمان اور عقل کا تقاضہ ہے کہ انبیاء کے بارے میں انتہائی محتاط ہو کر گفتگو کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی ذات پر چلائے جانے والے تیر ہمارا نامہ اعمال چاک کر ڈالیں۔

عہد نبوی ﷺ میں نظام حکومت

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ محسن انسانیت ﷺ کے اس حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے جہاں آپؐ کی ضرورت کی چیزیں ہوا کرتی تھیں، دیکھا تو آپؐ ایک چمڑے کے تکیے سے جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی ٹیک لگائے ہوئے چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ حجرہ میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا اثاثہ نظر نہ آیا صرف ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے۔ اس منظر سے عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آپؐ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپؐ کے گھر کا اثاثہ میرے سامنے ہے۔ ادھر قیصر و کسریٰ ہیں جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں جبکہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے بے نیاز ہیں۔ ارشاد فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دنیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ہاں! بے شک یا رسول اللہ!

آپؐ کی اس عملی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ وہی حضرت عمرؓ جو آپؐ کے لئے عیش و آرام کی زندگی کی آرزو کر رہے تھے جب ان کی خلافت کا وقت آیا تو وہ بھی گدڑی اور پیوند لگے کپڑے پہن کر اور جھونپڑے میں بیٹھ کر سونے چاندی اور زرو جواہر والے قیصر کے روم اور کسریٰ کے ایران پر حکمرانی کر رہے تھے اور ہر میدان میں ان کو شکست دے رہے تھے۔

دنیا بھر میں جو بھی سلطنتیں قائم ہوئیں یا ہو رہی ہیں ان کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ اپنی حکومت قائم کر کے کروڑوں افراد پر راج کیا جائے اور عیش کی زندگی بسر کی جائے۔ عمومی قاعدہ یہی ہے کہ ایک شخص ایک گروہ کو لے کر نکلتا ہے اور لاکھوں افراد کو تہ تیغ کر کے ہزاروں گھروں کو ویران کر دیتا ہے اور اپنی سرداری و بادشاہت کا اعلان کر دیتا ہے اس تمام خونریزی کا مقصد یا تو شخصی سرداری یا خاندانی برتری یا پھر اپنی قوم کو عظمت دلانا ہوتا ہے مگر رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام حکومت کے قیام کیلئے جو جدوجہد کی اور جو قربانیاں دیں ان کا مقصد نہ تو سرداری کا حصول تھا نہ اپنی قوم کی بادشاہت کا قیام نہ عربی سلطنت اور نہ ہی مال و دولت کا حصول بلکہ اس تمام تر جدوجہد کا واحد مقصد ایک شہنشاہ ارض و سماء کی بادشاہی

کا اعلان اور بندوں کو بندوں کی غلامی اور جھوٹے خداؤں کی بندگی سے نکال کر اس وحدہ لا شریک کی بندگی میں لانا تھا جو درحقیقت ہر قسم کی عبادت و بندگی کا سزاوار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ اور خلفائے راشدینؓ نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کر کے دکھا دیا جس میں قومیت، زبان، رنگ، نسل اور وطن کی کوئی اہمیت نہیں تھی، جہاں عدالت کی نظر میں ایک غلام اور امیر المؤمنین دونوں برابر تھے جب تک کہ حق دار کو حق اور مظلوم کو انصاف نہ مل جائے۔

ایک مرتبہ ایک مخزومی خاتون نے چوری کی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چونکہ وہ معزز خاندان کی عورت تھی تو بعض حضرات نے آپؐ کی خدمت میں حضرت اسماء بن زیدؓ جن سے آپؐ اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے کے ذریعے سفارش کروانا چاہی۔ اس پر آپؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی کوئی جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی مگر جب وہی جرم بڑے مرتبے کے لوگ کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا۔ پھر فرمایا کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو یقیناً اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (صحیح بخاری)

سردار الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے بادشاہوں کی طرح نہ تو سونے چاندی کا سامان اور حریر و ریشم کا لباس اختیار فرمایا، نہ محلات میں رہائش اختیار فرمائی، نہ عالیشان تخت بنوائے اور نہ ہی کوئی مخصوص شاہی سواری اختیار فرمائی بلکہ ایک عام مسلمان جیسی وضع قطع اور طرز زندگی اختیار فرمایا۔ آپؐ نے نشست میں بھی برتری و امتیاز کو مٹا دیا، مجلس کے اندر آپؐ اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا، حتیٰ کہ آپؐ کی مجلس میں باہر سے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ محمدؐ کون ہیں؟

اس وقت کی شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون سے مستثنیٰ تصور کئے جاتے تھے مگر یہاں یہ حال تھا کہ ہر قانون الہی کی تعمیل کا اصل نمونہ آپؐ اور صحابہؓ تھے۔

ایک مرتبہ آپؐ صحابہ کرامؓ کو مال تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آپؐ کے اوپر ٹوٹ پڑا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی آپؐ نے اس سے اس کو روکا جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر زخم آ گیا۔ آپؐ نے دیکھا تو اسی وقت فرمایا: آؤ اور مجھ سے قصاص لو لیکن اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا (ابوداؤد)۔

بادشاہ عموماً شاہی خزانے کو اپنی ملکیت تصور کیا کرتے ہیں، لیکن آپؐ نے تمام محاصل کو

بیت المال کی ملکیت اور عوام کا حق قرار دیا حتیٰ کہ آمدن کے سب سے بڑے سرکاری ذریعے زکوٰۃ کو خود پر اور اپنے خاندان پر حرام قرار دیا۔ جب وظائف تقسیم ہوئے تو سب سے پہلے آزاد شدہ غلاموں کو ان کا حصہ دیا جاتا۔

عمال و حکام درحقیقت خلیفہ یا بادشاہ کے قائم مقام ہوتے ہیں، اس لئے ان پر نکتہ چینی گویا خلیفہ یا بادشاہ پر نکتہ چینی کرنا ہے، عہد نبوت میں بعض لوگوں نے عمال نبوی کی شکایت کی لیکن آپؐ نے انہیں قانون کی کسی دفعہ کے ذریعے خاموش کرنے یا حکام کی حمایت میں معترضین پر فرد جرم عائد کرنے کے بجائے اخلاقی طور پر دونوں کو سمجھا دیا۔ عمال سے فرمایا: ہاں، مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کہ ان کی دعا اور قبولیت میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی اور معترضین سے فرمایا کہ تم اپنے عاملوں کو اپنے عمل سے راضی رکھو۔ (صحیح مسلم)

فخر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے علاوہ بھی عقل و دانش اور علم و فہم میں تمام انسانوں سے اعلیٰ و برتر تھے، اس کے باوجود صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ یہ آپؐ کی طبیعت بھی تھی اور حکم الہی بھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (اے رسول! امور سلطنت اور جنگ و صلح میں) اپنے رفیقوں سے مشورہ لے لیا کیجئے۔ (سورہ آل عمران)

اسلام کا ایک فیض یہ بھی ہے کہ اس نے سلطنت کو بھی مذہب اور عبادت بنا دیا۔ وہ شعبہ حیات جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ”سیاست میں سب کچھ جائز ہے“ اسلام نے اسے اتنا پاک و بلند کر دیا کہ وہ عرش کا سایہ بن گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: عادل اور متواضع حاکم زمین میں خدا کا سایہ ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عادل امام کو قیامت کے دن خدا کا سایہ نصیب ہوگا۔

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ جو لوگ سلطنت کے کاموں کو اخلاق اور نیکی کے ساتھ انجام دیں، انہیں اپنے اس حسن عمل کا ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح دوسری عبادات کا، گویا حکومت کرنا بھی ایک عبادت ہے، ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت بھی عبادت بن گئی اور ہر قسم کی بددیانتی، خیانت، فریب سازش اور ظلم و زیادتی کا سیاست سے خاتمہ ہو گیا۔ آج بھی محسن انسانیت ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر ایک ایسی حکومت قائم کی جاسکتی ہے جو عوام کی خیر خواہ و ہمدرد ہو اور عوام اس کے خیر خواہ ہوں پھر امن و امان اور ترقی و خوش حالی کی تمام راہیں کھل جائیں گی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم مقصد کے حصول کیلئے جس سطح کی قربانی درکار ہے وہ قربانی کون دے؟

ایک کامیاب سیاستدان، مدبر اعظم

مشہور مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قوم سیاست سے بالکل ناواقف تھی، بلکہ ان کا مزاج ہی غیر سیاسی تھا۔ اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا مجموعہ تھی، جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہو رہی تھی۔ اتحاد، تنظیم، قومی شعور اور اطاعت امیر وغیرہ، جن پر اجتماعی و سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، ان میں بالکل مفقود تھیں۔ ان کا مزاج اس قدر غیر سیاسی تھا کہ ان میں مرکزیت اور وحدت پیدا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ خود قرآن نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اور تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر لیتے تب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جو نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن فخر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز یہی ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے پیروکاروں کو انفرادی طور پر عابد و زاہد بنادیا، بلکہ انہیں اجتماعی زندگی گزارنے کے حوالے سے وہ شعور عطا فرمایا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مختلف گروہ اور قبائل، ملت و واحدہ بن گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک طرف عبادت کے طریقہ بتائے تو دوسری طرف آئین و سیاست کے وہ اسرار و رموز سکھائے کہ ان بوریا نشینوں نے قیصر و کسری جیسی عالمی طاقتوں کا غرور خاک میں ملادیا۔ آپ ﷺ نے سیاست کو مفاد پرستی، عیش و عشرت اور اقتدار و اختیار کے مزے لوٹنے کے بجائے قوم کی خدمت اور احکام الہامی کی عبادت کا ذریعہ بنادیا اور یہ تصور ہی ختم کر دیا کہ سیاست اور مذہب کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ بقول شاعر مشرق:

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دین سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبیر اور بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک بکھری ہوئی اور منتشر قوم نہ صرف خود متحد و منظم ہو گئی بلکہ دوسری اقوام کو بھی اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو دیا۔ اس کامیاب ترین و عظیم الشان انقلاب کے لئے آپ ﷺ نے نہ تو قومی، نسلی اور

جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ دنیوی مفادات کا لالچ دیا، نہ دشمنوں کا ہوا کھڑا کر کے انہیں ڈرایا اور نہ ہی سبز باغ دکھائے۔ آپ ﷺ نے دیگر انقلابیوں و سیاست دانوں کی طرح اس قسم کے منفی ہتھکنڈے استعمال کرنا تو درکنار، الٹا انہیں فتنہ قرار دیا اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیج کنی فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو صرف رب واحد کی بندگی و اطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلاء کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے ذریعے بیدار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب سے ایک نئی قوم ہی متعارف نہیں ہوئی بلکہ ایک بہترین امت ظہور پذیر ہوئی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کے بنیادی اصول رائج کئے اور ہمیشہ ان ہی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اصولی سیاست کی۔ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی، مد مقابل دوست ہو یا دشمن، خوشی کا موقع ہو یا غم کا، خوف و دباؤ کا عالم ہو یا بے خوفی کا، دین کی بات ہو یا دنیوی، غرض ہر موقع پر آپ ﷺ اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے، تاریخ عالم ایسا مدبر و سیاستدان پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے کبھی اپنے کسی اصول کے معاملے میں کمزوری نہ دکھائی ہو لیکن آپ ﷺ نے ایک مکمل نظام قائم کر دیا۔ ایک عالمی انقلاب برپا کر دیا، اس کے باوجود کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔

مدبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اس حوالے سے بھی ایک بہترین نمونہ ہے کہ آپ ﷺ نے سیاست کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا اور سیاست میں مباح بلکہ مستحسن تصور کی جانے والی بہت سی عمومی برائیاں مثلاً جھوٹ، چالبازی، عہد شکنی، مکر و فریب، لوٹ مار اور حقوق غصب کرنا وغیرہ جو عموماً ایک لیڈر کے اوصاف و کمالات شمار کئے جاتے ہیں، آپ ﷺ نے ان ”خود ساختہ سیاسی اوصاف“ سے خود کو کوسوں دور رکھا اور دنیا کو یہ درس دیا کہ سچائی، ایمانداری، ایفائے عہد اور دیگر شخصی اوصاف جس طرح انفرادی زندگی کے لئے لازم ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اجتماعی و سیاسی زندگی کے لئے ضروری ہیں، لہذا آپ ﷺ نے ایک عام شخص کے مقابلے میں ایک صاحب اقتدار شخص کے جھوٹ، فریب، بددیانتی، ظلم، بدعہدی اور لوٹ کھسوٹ کو زیادہ سنگین جرم قرار دیا، بلکہ اس پر ایک اور ذمہ داری بھی عائد کی گئی کہ وہ اپنی قوم کا نگہبان اور امین ہے اور اس سے ہر شخص کی رعیت سے

متعلق پوچھا جائے گا۔

افضل البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مظلومیت کا دور بھی گزرا اور سلطنت کا بھی، حلیفوں سے بھی معاہدے کئے اور حریفوں سے بھی، دشمن سے جنگیں بھی لڑنی پڑیں، قبائل کے وفود سے معاملات بھی کئے، آس پاس کی حکومتوں سے بھی معاملات طے کئے، لیکن یہ تمام امور سرانجام دینے کے باوجود دوست و دشمن ہر ایک کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کیا، نہ بدعہدی کی، نہ کسی بات سے پھرے، کسی بات کی غلط تاویل بھی نہیں کی، حلیفوں کا ہر حالت میں ساتھ دیا اور دشمنوں کے معاملے میں بھی کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اہل سیاست کا طعشق اور ہٹو بچو کی صدائیں سیاست کا لازمی حصہ تصور کی جاتی ہیں۔ ان کی سیکورٹی پر کروڑوں روپے پھونک دیئے جاتے ہیں، اپنے قصیدے پڑھوانے کیلئے بھاری بھر کم تنخواہوں پر خوشامدی بھرتی کئے جاتے ہیں۔ خصوصی سوار یوں کا انتظام کیا جاتا ہے، رہائش کے لئے محلات تعمیر کئے جاتے ہیں، عالی شان لباس تیار کروائے جاتے ہیں اور جب ”بادشاہ سلامت“ کی سواری گزرتی ہے تو سڑکوں کو عوام کے لئے بند کر دیا جاتا ہے، مگر سردار الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ ہمیں ان تمام تکلفات سے پاک نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک عام آدمی یا غلام جیسی زندگی گزارتے تھے، حتیٰ کہ کھانا کھانے کے لئے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں۔ آپ ﷺ کے لئے نہ تو کوئی خاص سواری تھی، نہ خصوصی گاڑی، نہ اعلیٰ لباس، نہ محلات اور نہ پر تکلف کھانے اور اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ اس دور میں اس وی آئی پی طرز زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا، اس زمانے میں بھی قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کے ٹھاٹھ باٹ اور ناز و نخر دیکھنے کے قابل تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے انتہائی سادہ طرز زندگی اختیار کر کے ارباب سیاست کے لئے ایک بہترین مثال قائم فرمادی۔

دنیا بھر میں جتنے بھی انقلابات برپا ہوئے، ان میں خون کی ندیاں بہنے لگیں، جان و مال عزت و ناموس کی بربادی پر انسانیت چیخ اٹھی، صرف جنگ عظیم دوم میں 2 کروڑ سے زائد افراد مارے گئے، جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس عظیم عالمی

انقلاب میں صرف 259 مسلمان اور 759 کفار قتل ہوئے، جب کہ نہ تو کسی کی ناموس پر دست درازی کی گئی اور نہ کسی کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا جو کہ درحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبیر کا ایک اور خاص پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیادت اور لیڈرشپ کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بجائے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو آپ ﷺ کے لائے ہوئے عظیم انقلاب کو اس کی اصل روح کے مطابق آگے بڑھانے اور ترقی و ترویج کے پوری طرح اہل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی انقلاب کا سمندر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ موجودہ مخدوش عالمی حالات کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا بھر کے لیڈر پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی حاصل کریں، تاکہ دنیا ایک مرتبہ پھر امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب، اساس ایمان

ایک روز محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے صدیق اکبرؓ سے پوچھ کر اقامت کہی اور خود صدیق اکبر اقامت کیلئے کھڑے ہو گئے، اس دوران آپؐ بھی تشریف فرما ہو گئے اور صف میں جب نمازیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو دستک دینے لگے اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ خبردار ہو جائیں۔ جب صدیق اکبرؓ نے دستک کی آواز سنی تو گوشہ چشم سے دیکھا کہ آپؐ تشریف فرما ہیں تو پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ اس پر آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہو۔ لیکن پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور آپؐ آگے بڑھ گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا! کہ اے ابوبکر! جب میں خود تمہیں حکم کر چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون سی چیز مانع ہوئی؟ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ابن قافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کا حکم فرمادیا تھا تو پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا؟ وہ ادب ہے۔ صحابہ کرامؓ کے قلوب میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس قدر ادب تھا کہ وہ لغوی اعتبار سے صحیح بات کی بھی اس بناء پر وضاحت فرمادیا کرتے تھے کہ کہیں یہ شان اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی شمار نہ ہو جیسا کہ حضرت عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپؐ بڑے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں اور میری ولادت پہلے تھی۔ (کنز العمال)۔

ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ کے والد ابوقافہ نے حالت کفر میں آپؐ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے فوراً ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اس کی گردن اڑا دیتا۔ اسی وقت آپؐ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

”تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے

دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے کے یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی اپنے فیضانِ نبوی سے اور ان کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ خدائی لشکر ہے خبردار ہو جاؤ اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے ہیں۔ (سورہ مجادلہ)

حضرت عباسؓ کے مکان کی چھت پر ایک پر نالہ تھا۔ ایک روز حضرت عمرؓ نئے کپڑے پہنے ہوئے مسجد کو جا رہے تھے اس پر نالہ کے قریب پہنچے تو اتفاق سے اس دن حضرت عباسؓ کے گھر دو مرغ ذبح کئے جا رہے تھے۔ ایک ایک ان کا خون اس پر نالے سے ٹپکا اور اس کے چند قطرے عمرؓ کے کپڑوں پر لگ گئے۔ آپؓ نے اس پر نالے کو اکھاڑ ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے فوراً اس پر نالے کو اکھاڑ دیا اور آپؓ گھر واپس آ کر دوسرے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ادائے نماز کے بعد عباسؓ آپؓ کے پاس آ کر کہنے لگے: یا امیر المؤمنین! خدا کی قسم اس پر نالے کو جسے آپؓ نے اکھاڑ ڈالا ہے، آپؐ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس جگہ لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ سن کر نہایت مضطرب و پریشان ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؓ نے عباسؓ سے فرمایا کہ اے عباس! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنے پاؤں میرے کندھے پر رکھ کر اس پر نالے کو جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لگایا تھا اسی جگہ پر لگا دو چنانچہ عباسؓ نے آپؓ کی درخواست پر اسے اپنی جگہ پر لگا دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف جنگ حدیبیہ میں صلح کیلئے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمانؓ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپؓ نے اپنے آقاؐ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و تعظیم مدنظر رکھتے ہوئے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں طواف نہ کروں گا جب تک میرے مولا رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں گے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو آپؐ اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی: ”ہذا ما کاتب علیہ محمد رسول اللہ“ تو مشرکین نے کہا کہ لفظ رسول اللہ نہ لکھو کیونکہ اگر رسالت ہمیں تسلیم ہوتی تو پھر لڑائی کس بات کی؟ اس پر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ انہوں نے کہا کہ

میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مناسکوں لہذا آپؐ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا۔

حضرت مصعب بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جعفر صادقؑ کو دیکھا کہ آپؑ نہایت ہی ہنس مکھ تھے مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کے روبرو کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور میں نے انہیں کبھی بلا وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا، آپؒ حدیث شریف بیان فرما رہے تھے کہ آپؒ کو بچھو نے 16 بار کاٹا اور آپؒ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا مگر آپؒ نے حدیث بیان کرنا نہ چھوڑا۔ حدیث بیان کر چکے تو میرے پوچھنے پر بتایا کہ آج میرے حدیث بیان کرنے کے دوران بچھو نے 16 بار کاٹا مگر میں نے حدیث کی عظمت و جلال کے باعث صبر کیا۔ امام بخاریؒ صحیح بخاری جمع کرنے کے وقت ہر حدیث لکھنے کے لئے تازہ غسل کیا کرتے اور دو گانہ نماز پڑھتے تھے۔

غازی سلطان محمود غزنویؒ کے غلام ایاز کا بیٹا محمد بادشاہ کا ملازم تھا، ایک مرتبہ بادشاہ نے ایاز کی موجودگی میں اسے یوں بلایا: اے ایاز کے بیٹے! وضو کا پانی لاؤ۔ جب سلطان محمود وضو سے فارغ ہوئے تو ایاز کو دیکھا کہ وہ مغموم و پریشان ہے۔ اس سے رنج و غم کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ عالی جاہ! میرے مغموم ہونے کا سبب یہ ہے کہ چونکہ آپؐ نے میرے بیٹے کو نام لے کر نہیں بلایا لہذا میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی و گستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپؐ اس سے ناراض ہیں۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا: اے ایاز! دل بڑا رکھو تمہارے صاحبزادے سے کوئی گستاخی نہیں ہوئی اور نہ ہی میں ناراض ہوں۔ اس وقت چونکہ میں بے وضو تھا اور تمہارا بیٹا رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام ہے لہذا مجھے شرم آئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک میری زبان سے بے وضو ہونے کی حالت میں نکلے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب سے متعلق یہ چند واقعات ہیں۔ اس طرح کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپؐ کا ادب ہمارے ایمان کی بنیاد ہے اور ذرا سی بے ادبی ہمیں ایمان کی دولت سے محروم کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کر سکتی ہے، لہذا اس حوالے سے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شفاعت سے متعلق غلط فہمی میں مت رہئے

آج کل عوام الناس کا یہ عقیدہ بتا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے مالک ہیں جس کی چاہیں گے اس کی شفاعت فرمائیں گے لہذا عمل خواہ کیسا بھی ہو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرتے رہو اور بس بیڑا پار ہو جائے گا یا کسی بزرگ کا دامن پکڑ لو تو بزرگ کے ساتھ ساتھ تم بھی جنت میں چلے جاؤ گے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے۔ روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اسی طرح علمائے کرام، بزرگان دین اور صالحین کو بھی اجازت دی جائے گی مگر اس کی کچھ حدود و قیود مقرر ہوں گی جن میں بنیادی شرط اس شخص کا صاحب ایمان ہونا اور عقائد کا درست ہونا ہے۔ کوئی بھی شخص شفاعت کا حق دار صرف اس صورت میں ٹھہرے گا جب اس کے اعمال میں کچھ کمی ہو نہ کہ عقائد میں۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو نہ تو اسے شفاعت نصیب ہوگی اور نہ ہی کسی کی شفاعت اسے فائدہ پہنچا سکے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا (سورۃ البقرہ: ۱۲۳)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ہاں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے؟ آپؐ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے تمام آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (سورۃ زمر: ۴۴)۔

یاد رکھئے! روز قیامت شفاعت کا مالک صرف اللہ ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے شفاعت کی اجازت ملنا اپنے نیک بندوں کے اعزاز و اکرام اور شان کے اظہار کیلئے ہے ورنہ جسے مالک یوم الدین جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ فرمائے تو اسے کسی کی سفارش کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور جسے رب

العالمین بخشا چاہے تو اسے کسی کی سفارش کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ جسے بخشا چاہے گا اسی کیلئے شفاعت کی اجازت دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا مرتبہ جس قدر بلند ہوگا، روزِ قیامت اسے شفاعت کا حق بھی اسی قدر زیادہ دیا جائے گا۔ اسی بناء پر ہم دعا مانگتے ہیں ”یا اللہ! ہمیں روزِ قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما۔“ یعنی شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری شفاعت کی اجازت عطا فرما۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہے، سنبھالنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ دیا جاسکتا ہے اور نہ نیند، اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لاسکتے مگر جس قدر چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے (سورۃ البقرہ: ۲۵۵)۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، کوئی سفارش کرنے والا نہیں بدون اس کی اجازت کے ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ (سورۃ یونس: ۳)۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا، شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا، نہ تو کسی نبی، صحابی، ولی یا بزرگ کی یہ مجال ہے کہ وہ رب العالمین کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت فرمائے اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی مرضی سے جس شخص کی چاہے سفارش کرے بلکہ مالکِ یوم الدین ہی اپنے بعض محبوب بندوں کا اعزاز و اکرام بڑھانے کے لئے انہیں شفاعت کا اعزاز بخشے گا اور وہی ان کے لئے حدود و قیود مقرر فرمائے گا کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کی سفارش کر سکتے ہو اور فلاں کی نہیں۔ جیسا کہ رب العالمین نے

اپنے کلام پاک میں فرمایا:

اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو (سورۃ طہ: ۱۰۹)۔

ایک اور سورت میں فرمایا:

اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت اجازت دیدے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالی شان سب سے بڑا ہے (سورۃ سبا: ۲۳)۔

کفار و مشرکین کا تو عقیدہ ہی غلط ہے اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ دین اسلام ہی سچا مذہب ہے لیکن وہ یا تو کسی مصلحت کی وجہ سے یا پھر محض ضد کی بنا پر اپنے جھوٹے بے دلیل مذہب پر اڑے ہوئے ہیں لیکن افسوس تو ان مسلمانوں پر ہے جو دین اسلام جیسی انمول دولت حاصل ہونے اور قرآن وحدیث موجود ہونے کے باوجود اپنے عقائد ان کے مطابق نہیں بناتے اور خود کو مسلمان کہنے کے باوجود مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں جبکہ ایک مسلمان کے تو عقیدے کی بنیاد ہی یہ ہے کہ مخلوق خواہ وہ ملک ہو، نبی ہو یا ولی، کسی بھی صفت میں خالق کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خالق کائنات نے خود ارشاد فرمایا:

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اس کے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (سورۃ الانبیاء: ۲۹)۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے (سورۃ الزخرف: ۸۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (میدانِ محشر میں جب سب لوگ پریشان ہوں گے) تو میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا مجھے اس کے دربار میں آنے کی اجازت دی جائے گی..... میں سجدہ میں گر پڑوں گا..... پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ..... سفارش کرو تمہاری سفارش سنی جائے گی..... پھر اللہ میرے لئے حد مقرر کر دے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مخلوق میں محسن انسانیت ﷺ سے افضل کوئی نہیں ہے لیکن آپ بھی رب کائنات کے حکم و اجازت کے پابند ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حضور ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمادی ہے لہذا اب اور کون باقی رہ جاتا ہے جو رب کائنات کے حضور اپنی مرضی اور اپنی پسند و ناپسند سے سفارش کر سکے؟ لہذا نبی کریم ﷺ ہوں یاد گیر نفوسِ قدسیٰ ان کی شفاعت کا مستحق بننے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اپنے عقائد قرآن و حدیث کے مطابق درست کئے جائیں اور اپنی پوری زندگی سنت کے مطابق گزاری جائے اس کے بغیر نہ تو کسی کا دامن پکڑنے سے قیامت کے روز کچھ حاصل ہوگا اور نہ پاؤں پکڑنے سے۔

خاندانِ نبوت و اہل بیتؑ

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں درج ذیل خواتین سے نکاح فرمایا۔

(۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد..... حضرت خدیجہ بیوہ تھیں، نکاح کے وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال جبکہ حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ آپ ﷺ کی اولاد میں سے صرف ایک صاحبزادے (حضرت ابراہیمؑ) کے علاوہ باقی تمام اولاد (حضرت قاسمؑ، حضرت عبداللہؑ (طیب و طاہر) حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثومؑ اور حضرت فاطمہؑ) حضرت خدیجہ کے لطن سے تھی۔ حضرت خدیجہ ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئیں اس وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ کی تدفین مکہ مکرمہ کے قبرستانِ جنتِ المعلیٰ میں ہوئی۔

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ..... حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا دوسرا نکاح شوال ۱۰ نبوت میں حضرت سودہ سے ہوا۔ حضرت سودہ بھی بیوہ تھیں۔ بوقت نکاح رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال اور حضرت سودہ کی عمر بھی ۵۰ سال تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوئیں اور مدینہ منورہ کے قبرستانِ جنتِ البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۵ ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق..... تیسرا نکاح (بلا رخصتی) جب آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۱ سال اور حضرت عائشہ کی عمر ۶ برس تھی۔ رخصتی ۳ سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رخصتی کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۴ سال اور حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال تھی۔ حضرت عائشہ نے ۶۶ سال عمر پائی۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رفاقت کی مدت ۹ سال ہے۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہؓ انواری تھیں، باقی تمام امہات المؤمنین بیوہ اور ایک (حضرت زینب بنت جحشؓ) مطلقہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔

(۴) حضرت حفصہ بنت عمرؓ..... آپ ﷺ کا چوتھا نکاح ۳ھ میں حضرت حفصہ بن حضرت عمرؓ سے ہوا۔ بوقت نکاح آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۵ سال اور حضرت حفصہ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۶۰ ہے۔

(۵) حضرت زینب بنت خزیمہؓ..... آپ ﷺ کا پانچواں نکاح حضرت زینب بنت

خزیمہ سے ۴ھ میں ہوا۔ بوقت نکاح رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۵۵ سال اور حضرت زینبؓ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ نکاح کے بعد صرف ۸ ماہ زندہ رہیں۔

(۶) حضرت ام سلمہؓ (ہند بن ابی امیہ)..... آپ ﷺ کا چھٹا نکاح حضرت ام سلمہؓ سے ۴ھ میں ہوا۔ بوقت نکاح رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۵۶ سال اور حضرت ام سلمہؓ کی عمر ۲۶ سال تھی۔ حضرت ام سلمہؓ نے ۸۴ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۸۷۳ ہے۔

(۷) حضرت زینب بنت جحشؓ..... آپ ﷺ کا ساتواں نکاح حضرت زینب بنت جحشؓ سے ۵ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۷ سال اور حضرت زینبؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ حضرت زینبؓ نے ۵۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۸) حضرت جویریہ بنت حارثؓ..... آپ ﷺ کا آٹھواں نکاح ۵ھ میں حضرت جویریہؓ سے ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۷ سال اور حضرت جویریہؓ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ حضرت جویریہؓ نے ۶۵ سال عمر پائی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۷۷ ہے۔

(۹) حضرت ام حبیبہؓ (رملہ بنت ابی سفیان)..... آپ ﷺ کا نواں نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے ۷ھ میں ہوا۔ بوقت نکاح آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۸ سال اور حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ حضرت ام حبیبہؓ نے ۷۳ سال عمر پائی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۶۵ ہے۔

(۱۰) حضرت صفیہ بنت ابی اخطبؓ..... آپ ﷺ کا دسواں نکاح حضرت صفیہؓ سے ۷ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۹ سال اور حضرت صفیہؓ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ حضرت صفیہؓ ۶۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۰۱ ہے۔

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارثؓ..... آپ ﷺ کا گیارہواں نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۹ سال اور حضرت میمونہؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ حضرت میمونہؓ نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ۷۷ ہے۔

آپ ﷺ کا بارہواں نکاح اسماء بنت جون سے ہوا لیکن اس نے صحبت سے قبل آپ ﷺ سے طلاق طلب کر لی اور آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی (صحیح بخاری۔ کتاب الطلاق)۔

آپ ﷺ کا تیرہواں نکاح بھی ہوا (خاتون کا نام معلوم نہیں) لیکن رخصتی نہیں ہوئی (الرحیق المختوم، ص ۵۲)۔

اس طرح عملاً آپ ﷺ کے نکاح میں گیارہ بیویاں آئیں اور لونڈیاں:

(۱) حضرت ریحانہ بنت شمعونؓ..... ۵ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ریحانہؓ کو اپنے حرم میں شامل فرمایا۔

(۲) حضرت ماریہ قبطیہؓ..... ۶ھ میں حضرت ماریہ قبطیہؓ آپ ﷺ کے حرم میں شامل ہوئیں۔ آپ کے لطن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت جمیلہؓ..... کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنے حرم میں شامل فرمایا (الرحیق المختوم، ص ۵۳)۔

(۴) نام معلوم نہیں۔ حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کو بہہ کیا (الرحیق المختوم، ص ۵۳)۔

وضاحت: بیک وقت زیادہ سے زیادہ ۹ ازواج مطہرات حرم مبارک میں رہیں۔

آپ ﷺ کے بیٹے: حضرت قاسمؓ حضرت خدیجہؓ کے لطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی وفات پائی۔ حضرت عبداللہؓ (آپ کا لقب طیب و طاہر بھی ہے) بھی حضرت خدیجہؓ کے لطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی وفات پائی اور حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے لطن سے پیدا ہوئے اور آپ نے بھی بچپن میں ہی وفات پائی۔

آپ ﷺ کی بیٹیاں: حضرت زینبؓ حضرت ابوالعاسؓ کے نکاح میں آئیں، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں آئیں اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔

آپ ﷺ کے نواسے، نواسیاں: حضرت زینبؓ کا ایک بیٹا حضرت علیؓ، ایک بیٹی حضرت امامہؓ اور ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام معلوم نہیں۔

حضرت رقیہؓ کا ایک بیٹا حضرت عبداللہؓ پیدا ہوا۔

حضرت ام کلثومؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے تین بیٹے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت محسنؓ جبکہ تین بیٹیاں حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں۔

عظمت صحابہؓ

آقا علیہ السلام کے بابرکت فرامین عالیہ پر مشتمل کتب احادیث میں تقریباً ہر چھوٹی بڑی کتاب میں آقا علیہ السلام کا یہ فرمان فیض ترجمان، پوری آب و تاب سے مکمل تمازت و حرارت سے مردہ دلوں کو راہ نجات اور بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کی منزل تک پہنچا رہا ہے جس کا حاصل اور منہوم یہ ہے کہ ”میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“

آج کے اس درس میں ذکر کردہ حدیث مبارکہ میں چند امور قابل توجہ ہیں جس پر مرحلہ وار غور و فکر کیا جائے گا۔

سب سے پہلی بات لفظ ”صحابی“ کی تشریح و وضاحت ہے۔ صحابی، صاحب کے لغوی معنی ہے، دوست، ساتھی، ملازم، وزیر لیکن اس مقام پر اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص، مومن اور سچے ساتھی اور دوست ہیں جبکہ صحابی کا معنی ہوگا مومن ساتھی، ہم مجلس و ہم نشین۔ اس کی جمع صحابیہ یا اصحاب آتی ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ صحابی کس کو کہتے ہیں؟ اس مسئلے میں مختلف ائمہ اور علماء کی معمولی معمولی اختلاف کے ساتھ چند آراء ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم رحمہم اللہ اور دیگر حضرات کی تمام تر تحقیقات کا خلاصہ اور نچوڑ یہ تین باتیں ہیں جو شرط صحابیت کے لئے ضروری ہیں۔

اول: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، دوم: حالت ایمان میں آقا علیہ السلام سے ملاقات، سوم: حالت اسلام پر وفات۔

مقام صحابہ کو سمجھنے کے لئے ایک اور اہم ترین بات یہ کہ اگر کوئی صحابی قبول اسلام کے بعد دین چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو تو اُس کا کیا حکم ہے؟ اگر مرتد دم تک ایمان پر نہ لوٹا تو خاتمہ کفر پر ہوگا۔ ہاں اگر ارتداد کے بعد اسلام قبول کر لے تو پھر مقام صحابیت مل جائے گا۔ جیسے حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ، اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ۔

اسی طرح ایک اور اہم ترین بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آیا کم سن بچوں کو صحابہ میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اکثر علماء، محدثین کا اتفاق ہے کہ انہیں صحابہ میں شمار کیا جائے گا

بلکہ بعض چھوٹوں کا درجہ بڑوں کے برابر ہوگا۔ جیسے حضرات حسنین کریمین شہیدین رضی اللہ عنہما۔ یوں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی باعزت، باوقار اور قابل احترام ہیں مگر ستاروں سے تشبیہ میں بڑی حکمت ہے۔ ستاروں کے چھوٹے بڑے ہونے کی طرح صحابہ کرام میں بھی مدارج کے اعتبار سے کچھ تفاوت اور فرق ہے۔

مجموعی طور پر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے بعد والوں سے افضل ہیں، پھر علماء کرام، محدثین و مؤرخین نے فضائل و مناقب کے اعتبار سے صحابہ اور صحابیات کے مدارج اس طرح قائم فرمائے ہیں:

خلفائے راشدین چاروں پوری امت سے بلکہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے، پوری انسانیت سے افضل ہیں، پھر چاروں میں فضیلت باعتبار خلافت ہے۔ ان کے بعد ازواج مطہرات یعنی آقا علیہ السلام کی بیویاں سب سے افضل ہیں، ان کے بعد سابقون الاولون اور مہاجرین سب سے افضل ہیں، ان کے بعد اہل عقبہ سب سے افضل ہیں، ان کے بعد اہل بدر سب سے افضل ہیں، اس کے بعد درجہ بدرجہ سب کا مقام ہے۔

یاد رہے کہ فضیلت سے اگر آخرت کی فضیلت مراد ہے تو وہ اللہ ہی بہتر جانے لیکن دنیاوی اعتبار سے مختلف جہات اور حیثیت ہے۔ اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں، اگر اعانت و تسکین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے دیکھیں تو نبی خدیجہ الکبریٰ سب سے افضل ہیں، اگر تعلیمات نبوی کی نشر و اشاعت کے اعتبار سے دیکھیں تو نبی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں اور کوئی ان کا حریف نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت و برکت کے حوالے سے ایک اور اہم ترین بحث کا خلاصہ ذکر کرنا بہت ضروری ہے، اس لئے کہ مثال ستاروں سے دی گئی ہے اور ستاروں کی تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے ان کی صحیح تعداد بتانا ناممکن ہے۔ تاہم بعض سیرت نگاروں یعنی اہل سیر نے ساٹھ ہزار، بعض نے سو لاکھ اور بعض نے کئی لاکھ لکھی ہے مگر صحیح تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ سب سے آخری صحابی حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ تھے جو غالباً ۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

جماعت صحابہ میں فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے صحابہ کرام میں مقام و مرتبے کے لحاظ سے فرق ہے لیکن یہ فرق اللہ کی نظر میں ہو تو ہو جبکہ آقا علیہ السلام نے نئے اور پرانے کا فرق نہیں فرمایا اور یہ سیرت مبارکہ کا انتہائی نازک اور اہم باب ہے۔ مقامات مراتب، شان و شوکت کا تفاوت یقیناً موجود ہے لیکن نتائج صحبت، ثمرات ایمان، فیض رسالت کے حصول اور منزل حق کے حصول میں قطعاً کوئی فرق نہیں لہذا جماعت صحابہ کے کسی بھی شخص کو زمان و مکان، پہلے اور بعد کی بھول بھلیوں میں الجھا کر داغ دار کرنے کی کوشش کرنا بالکل بے کار اور بے سود ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں، جب بھی کسی باغ میں بہار آتی ہے تو چند شگوفے ابتداء ہی سے گل و گلزار بن کر نظر کو خوش منظر اور مشام جاں کو معطر کر دیتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بہار کے آخری دنوں میں لہک اور چنگ کر باغ کو رونق دیتے ہیں لیکن ہوتے دنوں ہی باغ اور بہار کا حصہ ہیں بالکل اسی طرح جماعت صحابہ کے پھولوں نے گلستان نبوت کو ایسا لالہ زار بنایا کہ رہتی دنیا تک ایک مثال قائم ہو سکے۔ اب کچھ تو وہ تھے جو آغاز ہی میں حصہ چمن بن کر زینت صحن بن گئے اور کچھ وہ تھے جو آخری قطاروں میں بادب کھڑے ہو کر حفاظت چمن اور نگرانی صحن کے فرائض انجام دیتے رہے ع

بہار سب پر آئی محروم کوئی نہ رہا

رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور ازواج و بنات طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقیدت، اطاعت، کامل احترام اور ادب عطاء فرمائے۔ آمین

مقام صحابہ

صحابہ کرامؓ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں کیا مقام ہے؟ آئیے ملاحظہ فرمائیں تاکہ ہم بھی ان نفوس قدسی کی محبت سے اپنے دلوں کو منور کر کے اپنے ایمان کو تڑکا لگا سکیں:-

اور جو مہاجرین و انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ احسان کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، ان سب سے اللہ راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان

کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے (سورہ توبہ - ع ۱۳)۔

اس آیت میں رب کائنات نے صحابہ کرامؓ کو دونوں جہانوں کا سب سے بڑا پروانہ عطا فرمادیا اور وہ ہے رضائے الہی۔ کیا ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی خوش خبری ہو سکتی ہے کہ اس کا رب دنیا میں ہی اس سے راضی ہونے کا اعلان فرمادے؟

صحابہ کرامؓ کے متعلق ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فتنہ و عصیان سے تمہیں نفرت دے دی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (القرآن)۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیات میں صحابہ کرامؓ کی وہ شان و عظمت بیان کی گئی ہے جو انبیاء کے بعد نہ کسی کو ملی اور نہ قیامت تک مل سکتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ خالق کائنات کے پسندیدہ دین اسلام اور نبی آخر الزماں ﷺ کی لازوال تعلیمات کو چہار اطراف عالم میں پہنچانے اور انہیں قیامت تک کے انسانوں کے لئے محفوظ کرنے کی ذمہ داری انہی نفوس قدسی پر توتھی لہذا اگر ان کی شخصیت و کردار میں کوئی نقص یا دین و ایمان میں کسی قسم کی کمی ہوتی تو وہ اس بھاری فریضے کو ادا کرنے کے اہل ہی نہ ہوتے لہذا آج ہم نہ جانے اسلام کے نام پر کس مذہب کو سینے سے لگائے بیٹھے ہوتے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کی پیروی سے منہ موڑنے والے قیامت تک کے لئے گمراہ ہو گئے اور انہیں اپنی گمراہی کا ادراک بھی نہیں ہے۔ اس سے بڑی بد قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

رشد و ہدایت کے ان ستاروں کے بارے میں رحمت اللعلمین ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد انہیں (اعتراضات کا) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے میرے صحابہؓ سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ جس نے میرے صحابہؓ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو ازیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دیں گے (ترمذی)

شریف)۔ آپؐ نے فرمایا: میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو صحابی کے ایک مدیا آدھے مد کے برابر بھی اس کا ثواب نہ ہوگا (مشکوٰۃ)۔

آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہؓ کے اختلاف کے متعلق دریافت کیا تو مجھے وحی ہوئی کہ اے محمد! تیرے صحابہؓ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں جیسے ہیں، روشنی میں اگرچہ کم و بیش ہوں مگر نور ہدایت پر ایک ہیں پس جس نے ان کے اختلاف میں سے کسی سے بھی تمسک کیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے (مشکوٰۃ)۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ ”صحابہؓ کو تاریخ کے نہیں قرآن وحدیث کے آئینے میں دیکھو“۔ بات دراصل یہ ہے کہ جوں جوں قیامت قریب آرہی ہے، نئے نئے فتنوں کے دروازے کھلتے جا رہے ہیں اور ہر فتنہ ایسا کہ کمزور ایمان والوں کا تو ایمان ہی خطرے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک فتنہ اسلاف کی توہین وتنقیص کا بھی ہے اور اس طرح قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی پوری ہوتی نظر آرہی ہے کہ اس امت کے آخر میں آنے والے پہلے بزرگوں پر لعن طعن کریں گے (معاذ اللہ) حالانکہ آخر میں آنے والے لوگوں کی کامیابی ان ہی عقائد و اعمال اور اخلاق پر منحصر ہے جن پر سلف صالحین کا رہنما رہا تھا۔ جاٹار ان رسول اللہ ﷺ کو یہ عظمت رب کائنات نے عطا فرمائی ہے اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی محبت بھی اسی نے ڈالی ہے لہذا جب تک یہ دنیا باقی ہے اور اسلام موجود ہے، صحابہ کرامؓ کے چاہنے والے اور ان پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے بھی موجود رہیں گے۔

ان آیات واحادیث کی رو سے صحابہ کرامؓ میں سے کسی بھی صحابیؓ پر تنقید کرنے والا خود اپنی ہی عاقبت خراب کرتا ہے، صحابہ کرامؓ کو جو بلند مقام رب کائنات نے عطا فرما دیا اس میں رتی بھر بھی کمی نہیں کر سکتا کیونکہ جسے اللہ رب العزت معزز بنا دے اسے پوری دنیا مل کر بھی کم تر ثابت نہیں کر سکتی۔ جہاں تک حضرت معاویہؓ کا تعلق ہے تو حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہؓ کے لئے دعا کی کہ یا اللہ اسے ہدایت والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے (جامع ترمذی)۔ حضرت ابو

ادریس خولائیؒ کہتے ہیں کہ جب عمر بن خطابؓ نے عمیر بن سعد کو حص کی حکمرانی سے معزول کر کے معاویہؓ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا تو لوگ کہنے لگے کہ عمیر کو معزول کر کے معاویہ کو مقرر کر دیا! عمیر کہنے لگے کہ معاویہؓ کے متعلق اچھی بات ہی سوچو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے متعلق یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے (جامع ترمذی)۔

اس آیت میں رب کائنات نے صحابہ کرامؓ کو دونوں جہانوں کا سب سے بڑا پروانہ عطا فرما دیا اور وہ ہے رضائے الہی۔ کیا ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی خوش خبری ہو سکتی ہے کہ اس کا رب دنیا میں ہی اس سے راضی ہونے کا اعلان فرما دے؟

صحابہ کرامؓ کے متعلق ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق وعصیان سے تمہیں نفرت دے دی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (القرآن)۔

خالق دو جہاں نے صرف قرآن پاک میں ہی نہیں بلکہ انجیل وتورات میں بھی صحابہ کرامؓ کی مدح اور اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو انہیں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان (کی عبدیت) کے آثار ان کے سجدہ کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ اوصاف تورات میں بیان کئے گئے ہیں جبکہ انجیل میں ان کے بارے میں فرمایا: گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کوٹیل نکالی پھر اس کو تقویت دی پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے (سورہ فتح، آخری آیت)۔

بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے

پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے (سورہ توبہ، ۱۲۷)۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیات میں صحابہ کرامؓ کی وہ شان و عظمت بیان کی گئی ہے جو انبیاءؑ کے بعد نہ کسی کو ملی اور نہ قیامت تک مل سکتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ خالق کائنات کے پسندیدہ دین اسلام اور نبی آخر الزماں ﷺ کی لازوال تعلیمات کو چہار اطراف عالم میں پہنچانے اور انہیں قیامت تک کے انسانوں کے لئے محفوظ کرنے کی ذمہ داری انہی نفوس قدسی پر تو تھی لہذا اگر ان کی شخصیت و کردار میں کوئی نقص یا دین و ایمان میں کسی قسم کی کمی ہوتی تو وہ اس بھاری فریضہ کو ادا کرنے کے اہل ہی نہ ہوتے لہذا آج ہم نہ جانے اسلام کے نام پر کس مذہب کو سینے سے لگائے بیٹھے ہوتے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کی پیروی سے منہ موڑنے والے قیامت تک کے لئے گمراہ ہو گئے اور انہیں اپنی گمراہی کا ادراک بھی نہیں ہے۔ اس سے بڑی بد قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

رشد و ہدایت کے ان ستاروں کے بارے میں رحمت اللعلمین ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد انہیں (اعتراضات کا) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے میرے صحابہؓ سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ جس نے میرے صحابہؓ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دیں گے (ترمذی شریف)۔ آپؐ نے فرمایا: میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو صحابی کے ایک مدیا آدھے مد کے برابر بھی اس کا ثواب نہ ہوگا (مشکوٰۃ)۔

آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہؓ کے اختلاف کے متعلق دریافت کیا تو مجھے وحی ہوئی کہ اے محمد! تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں جیسے ہیں، روشنی میں اگرچہ کم و بیش ہوں مگر نور ہدایت پر ایک ہیں پس جس نے ان کے اختلاف میں سے کسی سے بھی تمسک کیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے (مشکوٰۃ)۔

یار غار حضرت ابو بکر صدیقؓ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو کفار مکہ نے حسب توقع اس کی تکذیب کی اور اس تکذیب کی تائید کیلئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور طنزیہ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو بھی سچ مانو گے کہ وہ بیت المقدس گئے اور وہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں کے عجائب و غرائب کی سیر کی اور پھر لوٹ آئے اور اتنا لمبا سفر رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا: ہم تو اس سے زیادہ بعید از عقل بات ان کی مان چکے ہیں، آپؐ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آسمان کے اوپر سے ابھی آئے اور ابھی گئے۔ مطلب یہ کہ جب جبریل علیہ السلام کی آمد و رفت چشم زدن میں ہم مان چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام تو جبریل علیہ السلام سے بھی فائق ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت میں ہم کو کیا شک ہو سکتا ہے؟ اسی تصدیق معراج کے صلے میں صدیق کا لقب آپؐ کو عطا ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک لقب عتیق بھی تھا جس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا ”انت عتیق اللہ من النار“ (ترمذی) یعنی تم اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد ہو۔ اسی وقت سے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب عتیق پڑ گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یار غار بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے انتہائی نامساعد حالت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور آپؐ کی محبت اور وارفتگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے دوران جب ایک غار میں پناہ لینا پڑی تو آپؐ نے اس خیال سے تمام سوراخ بند کر دیے کہ کہیں کوئی کیڑا مکوڑا نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچا دے، آخر میں ایک سوراخ بند کرنے کے لیے کچھ نہ بچا تو آپؐ نے اسے اپنی ایڑی سے بند کر دیا اور اس طرح بیٹھ گئے کہ حضور ﷺ آپ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ایک سانپ نے آپؐ کے انگوٹھے میں ڈس لیا۔ آپؐ محض اس وجہ سے ساکت بیٹھے رہے کہ کہیں آپؐ کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے لیکن شدت تکلیف سے آپؐ کی آنکھ سے آنسو نکل کر نبی اکرم ﷺ کے

رخصار مبارک پر گرا جس سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی پھر آپؐ نے تفصیل معلوم ہونے پر صدیق اکبرؓ کے انگوٹھے پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے آپؐ کی تکلیف جاتی رہی۔ اسی طرح آپؐ کی سخاوت بھی بے مثل تھی، بالخصوص دین پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال راہ خدا میں دینے کا حکم دیا۔ اس وقت میرے پاس بہت مال تھا، دل میں خیال آیا کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت حاصل کر لوں گا چنانچہ میں نے آدھا مال حاضر کر دیا (جو ایک معقول مقدار میں تھا) اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مال لے کر دربار رسالت میں رونق افروز ہوئے، مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اپنے اہل و عیال کیلئے کس قدر چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا..... آدھا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اہل و عیال کیلئے میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے یعنی کل مال لے آیا ہوں، گھر میں کچھ نہیں چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں کبھی سبقت نہیں لے سکتا۔

اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ”ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایسے حالات میں گھر گئے تھے کہ اگر اللہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو یہاں عجیب کھرام مچا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص سمیت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کا یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما چکے ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا تو وہ سن لے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف جا چکے ہیں مگر ہاں جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے تو بے شک اللہ زندہ ہے اس

کیلئے موت نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ آیات تلاوت کیں:

ترجمہ: اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے ایک رسول ہیں جن سے پہلے بھی اور رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر ان کو موت آ جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا۔“ (القرآن)۔

یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے مگر ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ آخری آیت انہیں معلوم ہی نہیں تھی۔ اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور یہ اس قدر موثر و دلنشین ثابت ہوئی کہ ہر شخص اسی کو پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ قوم کا امام بنایا۔ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس کیلئے زیبا نہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسرا ان کی امامت کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کہ ابوبکر! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے امر دین میں آگے فرمایا ہے تو کون ہے جو ہمارے دنیوی امور (خلافت) میں آپ کو پیچھے کر سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میں نے تمام لوگوں کے احسانات کا بدلہ اتار دیا ہے مگر ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز چکائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہو گئے، طرح طرح کی بغاوتیں رونما ہوئیں، بعض بدبختوں نے نبوت کے دعوے کرنا شروع کر دیئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب مرتدوں اور نبوت کے جھوٹے مدعیان کے قتال کیلئے حکم نافذ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری وصیت میں حکم دے گئے تھے کہ اسامہ کا لشکر ملک شام کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مخالفت کے باوجود اس لشکر کی روانگی کا حکم بھی دے دیا چنانچہ قتال مرتدین

کیلئے بھی فوجیں روانہ ہو گئیں جو فوج جس طرف جاتی فتح و نصرت سے ہمکنار ہوتی، ہر طرف سے فتح کی خبریں آنے لگیں۔ ایک سال میں مسئلہ کذاب کے عظیم فتنے سمیت تمام مدعیان نبوت و اصل جہنم ہوئے۔ مرتدین کا بھی قلع قمع ہو گیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی دشمن کی بڑی بہادر فوجوں کو تہہ وبالا کر کے بڑی کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا۔ نتیجہ دیکھ کر سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ تو وہی معرکہ تھا جس کی پیشین گوئی آیت قتال مرتدین میں سات آسمانوں کے اوپر سے اتری تھی۔ بڑے بڑے مغربی مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان حالات میں جیش اسامہ کا روانہ کرنا ایک عظیم الشان سیاسی حربہ تھا جس نے قبائل عرب اور ایران و روم کی سیاسی طاقتوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی مختصر مدت خلافت میں جس قدر کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور مسلمانوں کی بکھرتی ہوئی قوت کو جس طرح یکجا کر کے اسے عالمگیر سطح پر تسلیم کرایا وہ یقیناً کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے اونچا تھا اور وہ حکمت و سعادت کے اس بلند مقام پر فائز تھے جو نبوت سے نیچے اور باقی سب سے اونچا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کا رفیق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار کا امین، معرفت و صداقت کا یہ آفتاب 63 برس کی عمر میں 22 جمادی الثانیہ 13ھ کو غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حضرت فاروق اعظمؓ جیسا کون؟

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ یا اللہ! اسلام کو عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعے تقویت بخش، ان دونوں میں سے تجھے جو بھی محبوب ہو اسے مشرف بہ اسلام فرما اور پھر خالق کائنات کو جو محبوب تھا اسے ایمان کی دولت عطا فرمادی۔ حضرت عمرؓ نے اس شان سے بباغ دہل اسلام قبول کیا کہ اہل ایمان کے نعرہ تکبیر سے مکہ کے درود یوار ہی نہیں کفار کے دل بھی لرز اٹھے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں، دیگر اقوام سے جو معاہدات ہوئے، مملکت کے سلسلے میں جو انتظامات کئے گئے اور اشاعت اسلام کیلئے جو تدابیر اختیار کی گئیں، ان میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر طے پایا ہو۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل زمین میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ میرے وزیر ہیں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اے عمرؓ! شیطان جب تمہیں کسی راستے پر چلتا دیکھ لیتا ہے تو اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ عمرؓ قرآن کے ساتھ تھے اور قرآن عمرؓ کے ساتھ تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے بے شمار احکام حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئے جس کا سب سے بڑا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا تھا کہ آپؓ کے بعد آنے والے لوگوں میں سے قیامت تک کوئی آپ کے مقام و مرتبہ کے برابر پہنچنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔ بطور مثال صرف ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچانے اور سازشیں کرنے والا اور منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی قحاحی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والوں کا سردار بھی یہی بد بخت تھا لیکن اس کے باوجود جب یہ مرا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپؓ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے۔ صحابہ کرامؓ آپؓ کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس کی شرارتوں اور بد معاشریوں کی وجہ سے آپؓ ابھی صاف جواب دے دیں گے کہ میں ایسے دشمن کی سفارش اللہ تعالیٰ کی

سرکار میں کیسے کر سکتا ہوں؟ مگر آپؐ نے اپنے اخلاق کریمانہ کی بنا پر غفور و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھاتا ہوں۔ یسن کر حضرت عمر فاروقؓ سے رہا نہ گیا اور حضور ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکا اور قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلانی: اے پیغمبر! خواہ تم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو ان کے لئے یکساں ہے، اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو گے تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ یہ ان کے اس فعل کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا۔ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر بار کے لئے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں تمہاری دعا نہیں سنوں گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کروں گا، شاید قبول ہو جائے۔ یہ فرما کر عبد اللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائی بلکہ اس کے کفن کے لئے اپنے پہننے کا ایک کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ نماز پڑھا چکے تھے کہ دوسری آیت نازل ہوئی: (اے پیغمبر! اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو تم ہرگز اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور سرکشی ہی کی حالت میں مر گئے)۔

خليفة ثانیؒ غیر شرعی توکل کے خلاف تھے اور تمام معاملات کو جذبات کے بجائے حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھتے تھے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ مسجد میں تشریف لائے تو ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو، نماز تو ہو چکی ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کے پاس سے چلے گئے۔ دوسرے دن جب امیر المؤمنین تشریف لائے تو وہ لوگ پھر بیٹھے ہوئے تھے تو آپؓ نے ان سے پوچھا کہ کیسے بیٹھے ہوئے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ جی ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کوڑا اٹھایا اور انہیں مارنے لگے کہ جلدی مسجد سے نکلو اور پھر ارشاد فرمایا: آسمان سے سونا چاندی نہیں اترتا، باہر نکلو اور کام کاج کرو۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو صبح کے وقت لوگوں کو وعظ کر دیا کروں۔ آپؓ نے فرمایا: لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرے اندر اتنی ہوانہ بھر جائے کہ تجھے اڑا کر آسمان تک پہنچا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کے معاملے میں اتنے محتاط تھے کہ اس کا ایک درہم بھی بے محل صرف نہیں ہونے پاتا تھا۔ اس زمانے میں دولت جانوروں کی شکل میں بھی ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیے کے درج رجسٹر کرواتے تھے۔ ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، آپ خود بنفس نفیس اس کی تلاش میں نکلے۔ اس دوران ایک رئیس احنف بن قیس آپ کو ملنے کیلئے آگئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دامن چڑھائے اونٹ کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا کہ آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے؟ کسی شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے، وہ ڈھونڈ لائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے بڑا غلام کون ہو سکتا ہے؟

وہ امیر المؤمنین جن کے نام سے پورا عالم کفر کا نپتا تھا حتیٰ کہ شیطان بھی ان کے خوف سے راستہ بدلنے پر مجبور ہو جایا کرتا تھا ان کے خوف آخرت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ بشر بن عاصمؓ کو صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے عمر! میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا بادشاہ بنایا جائے اسے قیامت کے روز جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا۔ پل کو اس کے ساتھ ایسا زلزلہ آئے گا، اگر وہ نیک ہوگا تو نجات پائے گا اگر برا ہوگا تو پل پھٹ جائے گا اور وہ جہنم کی گہرائی میں ستر سال تک گرتا رہے گا۔ آپؓ نے مغموم ہو کر ان سے منہ پھیر لیا پھر حضرت ابوذرؓ ان سے ملے تو کہا کہ اے عمر! کیا ہوا میں آپ کو غمگین اور رنجیدہ دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا: مجھے کون سی چیز روکنے والی ہے جبکہ میں نے بشر بن عاصم سے آپؓ کی حدیث اس طرح سنی ہے۔ ابوذرؓ نے فرمایا: کیا آپؓ نے یہ حدیث نہیں سنی تھی؟ فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمانوں کے والیوں میں سے کوئی شخص حکمران بنا تو اس کو قیامت کے دن جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا۔ جہنم اس کے ساتھ زلزلہ کھائے گی حتیٰ کہ اس کا ہر جوڑ اس کی جگہ سے ہل جائے گا۔ اگر وہ نیک تھا تو نجات پائے گا، اگر گناہ گار تھا تو پل اس کے ساتھ پھٹ جائے گا اور ستر سال کی گہرائی میں نیچے گر جائے گا۔ اے عمر! آپ کے دل کو

شہید مظلوم، حضرت عثمان غنیؓ

ذوالقعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ آپؐ کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ قریش مزاحمت کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے سفر جاری رکھا اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں بتا دیں کہ ہم تو صرف عمرے کے ارادے سے آئے ہیں، جنگ ہمارا مقصد نہیں ہے۔ قریش کے ہاں حضرت عثمان غنیؓ کا بڑا مرتبہ اور وقار تھا، انہوں نے پیش کش کی کہ اگر آپؐ طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیجئے لیکن آپؐ نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف کرنے سے انکار کر دیا۔

مکہ سے واپسی میں عثمان غنیؓ کو تاخیر ہوئی تو یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار ساتھی کی شہادت کا انتقام لینے کیلئے فوراً جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس مقصد کے لئے آپؐ نے جنگ سے فرار نہ ہونے پر بیعت لینے کا اعلان عام فرما دیا۔ ایک دو منافقوں کو چھوڑ کر سب نے بیعت کی۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: یہ ایک عثمانؓ کا ہاتھ ہے، میں ان کی طرف سے خود بیعت لیتا ہوں۔ اس بیعت کو ’بیعت رضوان‘ کہا جاتا ہے۔ اول تو سردار الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفیر بننا ہی کوئی معمولی اعزاز نہ تھا، پھر آپؐ کی شہادت کے انتقام کے لئے تمام صحابہ کرامؓ سے بیعت بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالق کائنات کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ واقعی حضرت عثمان غنیؓ ہی ان اعزازات کے لائق تھے۔

حضرت رقیہؓ سے نکاح کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو ایک اور بڑا اعزاز نصیب ہوا اور وہ تھا داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز اور یہی نہیں بلکہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنیؓ دنیا کے پہلے اور آخری شخص بن گئے جنہیں کسی نبی کی دو بیٹیوں سے نکاح کا شرف حاصل ہوا اور

ان حدیثوں میں سے کس نے دکھایا کیا؟ فرمایا: دونوں نے مجھے غمگین کیا، کون شخص اس سلطنت کو اس کے حقوق کے ساتھ لے گا؟ (طبرانی، مجمع الزوائد، الترغیب والترہیب)۔

حضرت عمر فاروقؓ ہر موقع پر اتباع سنت کا بے حد خیال رکھتے تھے اور اس معاملے میں کسی کے ساتھ بھی رعایت نہ برتتے تھے۔ آپؓ کی پوری زندگی اتباع قرآن و سنت میں گزری اور نہ صرف یہ کہ خود اس پر عمل کرتے تھے بلکہ کسی اور کو بھی اس معاملے میں سستی برتنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور جہاں کہیں ذرا سا شائبہ بھی ہوتا تو سخت ایکشن لیتے جیسا کہ ایک مرتبہ آپؓ نے برسر منبر اعلان کیا کہ اصحاب الرائے (وہ لوگ جو واضح دینی امور و مسائل میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیتے ہیں) اسلام کے دشمن ہیں۔ احادیث کا محفوظ رکھنا انہیں گراں گزرتا ہے تو وہ چمی گویاں اور فکری دراندازیاں کرنے لگتے ہیں اور یوں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ یاد رکھو! ہمارا کام اتباع سنت، پیروی اور تقلید ہے، جدت طرازی اور خیال آرائی نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہم جب تک چلتے رہیں گے، گمراہ نہیں ہوں گے۔

عمر بن مہموںؓ نے اپنے والد سے سنا کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مدائن کی فتح کے موقع پر مجھے ایک بڑی دل پذیر اور اچھی کتاب ہاتھ لگی، اس کی چند باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔

امیر المؤمنینؓ نے پوچھا: آیا یہ باتیں اللہ کی کتاب سے ماخوذ تھیں؟ جب انہیں نفی میں جواب ملا تو انتہائی غضب ناک ہو گئے اور ایک درے سے اس شخص کو پٹینے لگے اور فرمایا:

اگلی امتیں صرف اسی لئے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے تورات و انجیل کو ترک کر کے اپنے علماء کی کتابوں کو بنیادی اہمیت کا حامل سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تورات و انجیل تو قصہ پارینہ بن گئیں اور علماء یہود و نصاریٰ کی کتابیں علم قرار پائیں اور یہ اصل علم کا حجاب بن گئیں۔

قصہ مختصر، حیات فاروق اعظمؓ میں ہر شخص کیلئے بہترین نمونہ موجود ہے، خواہ وہ رعایا ہو یا حکمران، عالم ہو یا جاہل، مجاہد ہو یا صوفی، سرمایہ دار ہو یا مفلس اور کمزور ہو یا طاقت ور، غرض ہر شخص حیات فاروقی کو نمونہ بنا کر حقیقی معنوں میں تبع سنت بن سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔

اسی بناء پر آپؐ ذوالنورین کہلائے۔ رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد فرمایا: اگر میری کوئی (بن بیہی) بیٹی اور ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا (فتح الباری)۔

9ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی لشکر کی جنگی تیاریوں اور حملے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے بھی صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا، کم وبیش 30 ہزار کا لشکر جرا جمع ہو گیا۔ قحط سالی کے باعث تنگ دستی کا زمانہ تھا۔ آپؐ نے لشکر کی مالی امداد کے لئے صاحب حیثیت صحابہ کرامؓ سے اپیل کی تو ہر شخص نے بقدر حیثیت تعاون کیا۔ عثمان غنیؓ چونکہ سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ لہذا آپؐ نے سات سو اوقیہ چاندی، ایک ہزار اونٹ، ستر ہزار درہم، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ اس موقع پر دیگر سامان کے علاوہ عثمان غنیؓ نے نقد رقم کی جو تھیلی پیش کی، آپؐ اس تھیلی کو فرط مسرت سے اپنے دست مبارک میں لے کر اچھالتے اور فرماتے۔ آج کے بعد عثمان پر کوئی اور عمل لازم نہیں ہوگا (ترمذی، باب مناقب عثمان)

مسجد نبویؐ میں توسیع کی ضرورت تھی، قریب ہی کا ایک ٹکڑا جس میں اس کا مالک کھجوروں کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ہوا کہ اس قطعہ کو خرید کر مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو اس کا علم ہوا تو 20 یا 25 ہزار درہم میں یہ قطعہ خرید لیا اور آپؐ کو خبر کی۔ آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا: تم اس کو ہماری مسجد میں شامل کر دو اور اس کا ثواب تم کو ملے گا (البدایہ والنہایہ)

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو بیٹھے پانی کی بڑی تکلیف تھی۔ شہر میں بڑا رومہ کے نام سے ایک کنواں تھا جس کا پانی شیریں تھا لیکن قبیلہ بنو غفار کا ایک شخص اس کا مالک تھا اور وہ اس پانی کی ایک مشک ایک مد (تقریباً دو سیر) اناج کے بدلے بیچتا تھا۔ آپؐ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: دیکھیں کون بڑا رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے، اسے جنت ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پیش قدمی کی اور 35 ہزار درہم میں اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

خلیفہ سومؓ اس قدر سلیم الفطرت تھے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ کبھی شراب پی، نہ زنا کیا، نہ گانے بجانے میں شریک ہوئے اور نہ کسی کو قتل کیا۔ ہجرت حبشہ کے موقع پر جب مہاجرین

نجاشی کے رو برو ہوئے تو سب نے ملک کے دستور کے مطابق نجاشی کو جھک کر سلام کیا۔ سوائے آپؐ کے۔ بادشاہ حبش نے آپؐ سے ایسا نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: میں اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے کے سامنے سر خم نہیں کر سکتا۔ (مسند احمد)

آپؐ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ جس ہاتھ سے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اس سے عمر بھر عضو خاص کو مس نہیں کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی پیش کش کی تو آپؐ نے صرف اس لئے منظور نہیں کیا کہ آپؐ کا گوشہ خاطر اس طرف تھا اور عثمان غنیؓ کو اس کا علم تھا۔ ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد فرمایا: میں نے آپؐ کو اسی طرح خوب اچھی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپؐ مزدلفہ میں فروکش تھے، فجر کے وقت روشنی کافی پھیل گئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر امیر المومنین اس وقت منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں تو یہ عین سنت کے مطابق ہوگا۔ آپؐ یہ سنت ہی اس سرعت سے چل پڑے کہ بقول راوی مجھے نہیں معلوم کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول پہلے تھا یا حضرت عثمانؓ کی رواگئی (صحیح بخاری)

باغیوں کا اصل مطالبہ خلافت سے دستبرداری کا تھا اور ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کیلئے اس میں راحت اور آسائش بھی تھی لیکن آپؐ نے جان دے دی مگر اس مطالبے کو منظور نہیں کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ سے اس فتنہ کی پیش گوئی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ فتنہ پسند ہزار مطالبہ کریں لیکن خلافت کی جو قمیص اللہ نے پہنائی ہے اسے ہرگز نہ اتاریں۔

رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم عثمان غنیؓ سے بے انتہاء محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ام کلثومؓ نے کہا کہ فاطمہ کے شوہر (علیؓ) میرے شوہر (عثمانؓ) سے بہتر ہیں۔ آپؐ پہلے تو خاموش رہے پھر فرمایا: بیٹی! تیرا شوہر تو وہ ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ دونوں محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم جنت میں داخل ہوگی تو تم دیکھو گی کہ وہاں تمہارے شوہر کا مکان سب لوگوں کے مکان سے اونچا ہے (البدایہ والنہایہ)

ایک مرتبہ آپؐ اول شب سے طلوع فجر تک ہاتھ اٹھائے یہ دعا فرماتے رہے: اے اللہ! میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی اس سے خوش رہ (البدایہ والنہایہ)

شانِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ حقوق الناس کا کس قدر لحاظ کرتے تھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں یمن سے شہد کی بھری ہوئی مشکیں آئیں۔ اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس چند مہمان آئے۔ روٹیاں تو بازار سے منگوائیں اور سالن کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قبر سے کہا کہ ایک مشک کھول دو۔ اس نے تعمیل کی۔ آپ نے ایک رطل شہد لے کر اپنے مہمانوں کے پاس بھیج دیا۔ جب امیر رضی اللہ عنہ نے شہد کو تقسیم کرنے کیلئے مشکیں منگوائیں تو ایک مشک کی نسبت فرمایا: اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ قبر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے شہد لینے کا ذکر کیا، آپ نے غصہ ہو کر فرمایا ”حسن کو میرے پاس بلاؤ۔“ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، آپ نے بہت ناراضگی ظاہر فرمائی بلکہ مارنے کا ارادہ کیا اور کہا تم کو کس بات نے جرأت دلائی کہ تقسیم سے پہلے تم نے شہد لے لیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس بات نے جرأت دلائی کہ جب ہمارا حق ہمیں ملے گا تو ہم اسی قدر شہد واپس دے دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک شہد کی تقسیم میں تمہارا بھی حق ہے لیکن تمہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ تم اور لوگوں کے حق سے پہلے اس حق سے فائدہ اٹھاؤ۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ قاضی کی کچھری میں

جب آپ جنگ صفین میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوئے تو زرہ باوجود تلاش کرنے کے نہ ملی۔ آخر جب جنگ سے واپس آئے تو وہ زرہ ایک یہودی کے پاس نکلی۔ آپ نے اس سے فرمایا میں نے زرہ کسی کو دی نہ کسی کے ہاتھ پہنچی، پھر تیرے پاس کس طرح آگئی۔ اس نے کہا یہ زرہ میری ہے اس لئے کہ میرے قبضہ میں ہے۔ مقدمہ قاضی تک پہنچا جن کا نام شرح تھا۔ قاضی نے آپ کا دعویٰ اور یہودی کا جواب سن کر آپ سے کہا گواہ پیش کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بیٹا حسن اور میرا غلام قبر موجود ہے۔

قاضی نے کہا بیٹے کی باپ کیلئے اور غلام کی آقا کے لئے شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ فرمایا تعجب ہے کہ تم اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عثمانؓ کو گلے لگایا اور فرمایا: عثمان! تم دنیا میں بھی میرے ولی ہو اور آخرت میں بھی۔ (کنز العمال) اگر کوئی شخص حضرت عثمانؓ سے بغض و عناد رکھتا تھا تو آپؓ اس سے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک صحابی کا جنازہ آیا تو آپؓ نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا اس لئے میں نے نماز نہیں پڑھی (کنز العمال)

جب باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپؓ کی خلافت سے دستبرداری یا قتل کے علاوہ کوئی تیسرا حل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو بڑے بڑے جید صحابہ کرامؓ نے باغیوں کے خلاف کارروائی کی اجازت مانگی لیکن آپؓ نے ہر مرتبہ جنگ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جنگ کی اجازت چاہی تو آپؓ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ مجھ کو اور سب لوگوں کو تہ تیغ کر دو۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ آپؓ نے پھر فرمایا: اگر تم نے ایک آدمی بھی قتل کیا تو گویا سب کو ہی قتل کر دیا۔ جب زیادہ دباؤ پڑا تو فرمایا کہ میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکھے رہے۔ نیز فرمایا کہ میں مقابلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بنا ہوا کہ انہیں کر سکتا جس کے ہاتھوں امت میں خونریزی کا آغاز ہوا ہو۔ آخر کار باغی مفسدین کا شانہ خلافت کی طرف بڑھے اور آگ لگا دی۔ عصر کا وقت تھا۔ داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے تھے اور سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ محمد بن ابی بکر اور چند ساتھی آپؓ کے مکان میں کود گئے۔ محمد بن ابی بکر نے آپؓ کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی۔ آپؓ نے فرمایا: بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے! اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا۔ وہ بولا! میں تو آپؓ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ کرنے والا ہوں۔ یہ کہہ کر خنجر آپؓ کی پیشانی میں پیوست کر دیا۔ آپؓ کے منہ سے بے ساختہ نکلا: بسم اللہ تو کلت علی اللہ۔ پیشانی سے خون بہہ کر داڑھی اور قرآن مجید پر بہنے لگا۔ کنانہ بن بشر نے لوہے کی لاٹ ماری تو آپؓ گر پڑے سودان نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحق نے نیزے سے پے در پے وار کیا اور بالآخر 18 ذوالحجہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ

نے نہیں فرمایا: حسن اور حسین جو انسان جنت کے سردار ہیں۔

یہ سن کر یہودی کا ایک چلا اٹھا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے قاضی کے پاس کھینچ لائے حالانکہ آپ امیر المؤمنین ہیں اور قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح جرح قدح کر رہا ہے۔ بے شک یہ دین سچا ہے اور بے شک یہ زرہ آپ ہی کی ہے اور مسلمان ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خود ضبطی اور ایثار نفسی کا بے نظیر واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جنگ میں شامل تھے۔ ایک کافر مد مقابل تھا۔ جب آپ اس کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھے اور اس کے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر آپ اس کے سینہ سے ہٹ گئے۔ کافر نے کہا: اے علی! میرے تھوکنے سے تو تم کو اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا یہ کیا کہ مجھے سرے سے چھوڑ ہی دیا؟

آپ نے فرمایا: پہلی دشمنی تم سے خدا کیلئے تھی، اب تو نے مجھ پر تھوکا ہے، اس سے میرے نفس کو جوش اور غصہ تو ضرور آ گیا ہے مگر اس حالت میں اگر تجھے قتل کر دوں تو یہ میرے نفس کی غیرت کا اظہار ہوگا، اس کو غیرت الہی اور للہیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ کافر پر اس ایثار نفسی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

حضرت حسینؑ بحیثیت شہید

قرآن حکیم کی بیان کردہ تاریخ کے مطابق تخلیق آدم کا واقعہ جہاں نسل انسانی کا نقطہ آغاز بنا وہیں اسی حق و باطل کے درمیان کشمکش کی ابتدا بھی ہوئی۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے خدا کی مخلوقات میں حکم عدولی اور بغاوت و سرکشی کے اولین جرم کا ارتکاب کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت تک انسانوں کو گمراہ کرنے کی مہلت حاصل کر کے یہ چیلنج بھی پیش کر دیا کہ

ترجمہ: جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے، میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں رہوں گا۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر طرف سے ان کو گمراہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو ناشکر گزار پائے گا۔ (۱۶:۱۷-۱۸)

ابلیس کو اپنی دجل و فریب کی صلاحیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ وہ یہ دعویٰ بھی کر بیٹھا کہ ترجمہ: اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس (آدم علیہ السلام) کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں گا۔ بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔ (۱۷:۶۲)

ترجمہ: اچھا تو جا، ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں، تجھ سمیت ان سب کے لئے جہنم ہی بھر پور جزا ہے، تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ سا جھا لگا اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں، یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور تو کل کے لئے تیرا رب کافی ہے۔ (۱۷:۶۳-۶۵)

اس مکالمے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسانی پیکر اپنے وجود میں آتے ہی ایک طرف ابلیس کی دشمنی کا مستقل نشانہ بن گیا، جس نے اسے ہر صورت گمراہ کرنے اور اپنے مالک و خالق سے بغاوت پر آمادہ کرنے کا بیڑا اٹھالیا اور دوسری طرف یہی انسان اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا جس نے اس کی حفاظت اور ہدایت و رہنمائی کا خصوصی اہتمام فرمایا اور اس اعتماد کا اظہار کیا کہ ابلیس کی تمام چالوں کے مقابلے میں اس کے لئے اپنے رب کی حفاظت و رہنمائی کافی ہوگی۔ اسی لمحہ انسان پر ایک عظیم ذمہ داری بھی عائد ہو گئی وہ چونکہ اس

معمر کہ حق و باطل میں عینی شاہد تھا اس لئے اسے فریضہ شہادتِ حق ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اسی ذمہ داری نے انسان کی حیثیت اور اس کے فرائض کا بھی تعین کر دیا۔ اسے ابلیس کی بجائے اپنے رب کا بندہ بن کر رہنا تھا اور قیامت تک روئے زمین پر آنے اور بسنے والے ہر انسان کے سامنے اس حقیقت کبریٰ کی گواہی دینا تھی کہ اس کا رب کون ہے اور اسے کس کی ہدایت و رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ مجرم ہمیشہ شہادت کو مٹانے، دبانے یا گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کا باطل دعویٰ تسلیم کر لیا جائے اور حق کا اثبات و استقرار ممکن نہ رہے، چنانچہ ابلیس نے اپنے کام میں ذرا تاخیر نہ کی اور اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فریب کاری کا پہلا وار کیا۔ یہ وار ایسا شدید اور کارگر ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کے قدم ڈگمگائے لیکن اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی انہوں نے اپنے رب سے رجوع کیا اور گڑگڑا کر دعا کی کہ

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ کیا تو ہم یقیناً تباہ ہو جائیں گے۔ (۷:۲۳)

یہ دعا اس امر کی واضح علامت تھی کہ ابلیس اپنے حربے میں ناکام رہا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کا رشتہ بندگی اپنے رب سے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا بلکہ غلطی کا احساس ہوتے ہی انہوں نے رجوع الی اللہ کے ذریعے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے رب کی پناہ چاہتے ہیں، حق کو چونکہ شہادتِ حق کی حفاظت بھی کرنا تھی اور اسے اپنی ہدایت و رہنمائی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت کے منصب جلیلہ پر فائز کر کے دونوں میاں بیوی کو زمین پر اتار دیا گیا۔

نبوت کا مشن کیا تھا؟ شہادتِ حق، اس امر کی گواہی کہ اس کائنات کا اس میں بسنے والے انسان اور اس کی ہر شے کا خالق و مالک اللہ ہے، وہی فرمانروا اور احکم الحاکمین ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر ہم سب کو جانا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام اسی حقیقت کبریٰ کی شہادت دینے اور انسانوں کا رشتہ بندگی اس سے جوڑنے کے لئے مبعوث کئے گئے۔

یہ شہادتِ حق کتنا اہم اور عظیم فریضہ ہے اس کا اندازہ سورہ آل عمران کی ان آیات سے کیا جاسکتا ہے:

ترجمہ: یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو ان پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (۳:۸۱)

اس میثاق میں جو اجتماعی طور پر تمام انبیاء کے ساتھ ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے حق میں گواہ ٹھہرایا اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں وہ خود گواہ بنا۔ یہ سلسلہ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور اب باب نبوت ہمیشہ کے لئے بند کیا گیا تو اعلان کر دیا گیا کہ:

ترجمہ: اور ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ (۲:۱۴۳)

گویا شہادتِ حق کا یہ فریضہ اب تک انبیاء کے ذمہ تھا وہ سلسلہ نبوت ختم ہونے پر اب قیامت تک کے لئے امت محمدیہ کو منتقل ہو گیا۔ پورے عالم انسانیت کے سامنے حق کی شہادت پیش کرنا اس کا مشن قرار پایا اور اس مشن کی تکمیل میں اس کی کارکردگی پر رسول گواہ بنایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے عہد بندگی پر گواہ بنانے، ان کے اقرار پر خود گواہ بننے، آخری نبی گواہ پر گواہ ٹھہرانے اور پھر امت کو پورے عالم انسانیت پر گواہ بنانے کے اس عظیم الشان اہتمام کی ضرورت کیا تھی؟

اس کا سبب یہ تھا کہ تخلیق آدم ہی کے وقت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش شروع ہوئی تھی وہ چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت اور اس کی بخشی ہوئی اجازت سے قیامت تک برپا رہی تھی اس لئے اس وقت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں باطل کے دعوؤں کو رد کرنے اور اس کی پُر فریب چالوں کو ناکام بنانے کے لئے شہادتِ حق کی ضرورت نہ ہو۔ ابلیس کو اپنا کام تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا تھا اور اہل حق کو اسی تسلسل سے فریضہ شہادتِ حق

ادا کرنا تھا، اس پیہم کشمکش کے دوران ابلیس نے انسان کو گمراہ کرنے کے لئے کہیں بندگی نفس کے جال پھیلانے۔ کہیں الحاد و زندقہ کے گمراہ کن عقائد گھڑے، کہیں چاند، سورج، تاروں اور دیگر مظاہر قدرت کو خدا ٹھہرایا، کہیں پتھروں سے بت تراشے کہیں پچھڑے اور دوسرے جانوروں کو لائق عبادت باور کرایا اور کہیں انسانوں ہی کے دماغ میں کبریائی کا خناس ابھار کر انہیں اپنے ہی جیسے انسانوں پر خدا بن بیٹھنے کی راہ بھائی اس کی ان چالوں کو ناکام بنانے کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام مبعوث ہوتے اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیتے گئے۔

یہاں ایک لطیف اور نہایت اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قوت و جبروت کے باعث حمایت حق کے لئے کسی شہادت کا محتاج نہ تھا، وہ ابلیس کے مقابلے میں بے بس و بے اختیار نہ تھا۔ وہ اس امر پر قادر تھا کہ ابلیس سے خود ہی نمٹ لے لیکن اس نے جب اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ابلیس کو قیامت تک اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے اور ایک فریق کا کردار ادا کرنے کی اجازت دے دی تو اب یہ بات تقاضائے عدل کے منافی تھی کہ طاقت و حریف اپنے مقدمہ کا فیصلہ خود ہی کر ڈالے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک عادل بادشاہ ایک ضابطہ قوانین خود وضع کر کے اپنی سلطنت میں جاری کرے اور پھر کسی عام شہری کی طرف سے اپنے خلاف کسی حق کے دعوے میں خود ہی فیصلہ کر ڈالے، اس کے برعکس وہ عدالت میں اپنا موقف پیش کرتا ہے اور شہادت و دلائل کے ذریعہ مقدمہ کا فیصلہ حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا پورا مقدمہ انسانیت کے اجتماعی ضمیر و شعور کی عدالت میں پیش کر دیا ہے اور اتمام حجت کے لئے تمام کتب آسمانی اور بالخصوص قرآن کریم میں دلائل و براہین سے اپنی حقانیت ثابت کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی صورت میں انتہائی سچے اور قابل اعتماد گواہ واضح نشانیوں کے ساتھ حاضر کر دیئے ہیں۔

اب اس مسئلہ کا ایک اور پہلو لیجئے۔ شہادت ہمیشہ حق ہی کے لئے ہوتی ہے، باطل اس سے محروم ہوتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی کہ شہادت کو مٹایا اور دبایا جائے تاکہ اس کا دعویٰ مسترد نہ ہو۔ ابلیس اور اس کی ذریات نے روز اول سے ہر شہادت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ انبیاء کرام اور ان کے سچے پیروکاروں کو قتل کرنے کی تدبیریں کی ہیں، ابلیس کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ نے قتل کا مجرم ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ (۲۱:۲۰)
انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے گڑھے میں پھینکا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اژدہوں کے حوالے کرنے اور قتل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانا چاہا۔ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں اور پھر بدر واحد کی لڑائی میں قتل کرنا چاہا اور متعدد انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کر ڈالا لیکن باطل کی یہ ساری کوششیں ناکام رہیں اور اس کی سب سے بڑی ناکامی یہ رہی کہ اسے اپنے حق میں کبھی کوئی شہادت میسر نہ آ سکی، شہادت جب بھی سامنے آئی حق ہی کی حمایت میں آئی اور باطل اسے مٹانے اور دبانے ہی کی کوشش کرتا رہا، جن برگزیدہ ہستیوں نے فریضہ شہادت حق ادا کیا، انہیں اللہ نے اپنا دوست اور مددگار قرار دیا حالانکہ اللہ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ انسانوں میں سے کوئی اس کا مددگار بنے۔ مگر انسان کی شہادت چونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی جملہ صفات کی تصدیق کرنے والی اور اظہار حق و قبولیت حق کا ذریعہ بننے والی ہے۔ اس لئے اللہ نے انسان کو اپنا مددگار قرار دیا۔

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: کون ہے اللہ کی طرف سے میرا مددگار؟ اور حواریوں نے جواب دیا تھا: ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا، پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔ (۶۱:۱۴)

یہ تو تھا شہادت کی اہمیت اور اس کے اہتمام کا پس منظر، اب اس کا ایک اور پہلو لیجئے جو انسان کی اصل عظمت اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی حقیقت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ اس فریضہ شہادت نے انسان کو جس آزمائش سے دوچار کیا ہے، اس کا بارگراں صرف انسان ہی اٹھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھنپھٹتا ہے۔ (۵۹:۲۱)

قرآن نے فریضہ شہادت حق کی جو ذمہ داری انسان پر ڈالی ہے، مخلوقات میں کوئی

دوسرا اس بوجھ کے اٹھانے کا اہل نہ تھا یہ کام کتنا کٹھن مشکل اور صبر آزما ہے خود قرآن سے سنئے۔

ترجمہ: اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو بہت پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔ (۹:۲۴)

اس فہرست پر نگاہ ڈال کر دیکھئے کہ فریضہ شہادت حق کے لئے جن جن چیزوں کی قربانی طلب کی جا رہی ہے کیا ان سے زیادہ محبوب اور عزیز چیزوں کا کوئی تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس فریضہ شہادت حق کے لئے خدا اور بندے کے درمیان جو عہد و پیمان ہوا ہے وہ یہ ہے: ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں، ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے تو رات اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو۔

شہادت حق کے لئے مطلوبہ قربانیاں پیش کرنا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان تک دے دینا صرف انسان ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ یہ اونچے پہاڑوں کے بس کا روگ تھا نہ کسی اور مخلوق کے بس کی بات قربانی کے اسی جذبہ اور حوصلے کی بناء پر انسان کو ہر دوسری شے پر فضیلت اور برتری عطا ہوئی اور خدا کی طرف سے اپنی راہ میں جان دینے والے کو ”مردہ“ کہنے کی ممانعت کی گئی اور لوگوں کو بتایا گیا کہ یہ موت نہیں ہمیشہ کی زندگی، دائمی اور پائیدار زندگی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”شہید“ جان دینے کے باوجود زندہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت ہی پر حق کے مقدمہ کا انحصار ہے، کسی مقدمہ سے شہادت مٹ جائے تو مقدمہ باقی نہیں رہتا، عالم انسانیت میں خدا کی حقانیت کا پرچم انہی نفوس قدسیہ کی وجہ سے لہرا رہا ہے جنہوں نے اپنے خون سے خدا کے وجود اس کی فرامزدائی اور اس کے

پیغام کے برحق ہونے کی گواہی دی، شہدائے بدرواحد کے خون کی سرخی اگر اسلام کے اوراق سے نکال دی جائے تو ہماری تاریخ کا پورا چہرہ ہی بدل جائے گا۔ باطل کے مقابلے میں حق کا مقدمہ چونکہ انہی شہیدوں کی شہادت سے قائم ہے اس لئے خدا کی جی و قیوم ہستی نے انہیں بھی زندہ قرار دیا ہے، اس منزل شہادت پر پہنچنے کی شرائط سورۃ توبہ میں نظر سے گزر چکی ہیں اب شہادت (Martyrdom) کو ہمیشہ زندگی قرار دینے والی آیات کے ساتھ ان شرائط کو مزید اضافوں کے ساتھ ایک اور انداز سے ملاحظہ کیجئے:

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر فاقہ کشی جان و مال کے نقصانات اور آدمیوں کے گھائلے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے“ انہیں خوشخبری دے دو کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔“ (۲:۱۵۴-۷)

ان آیات میں شہادت حق سے روکنے والی جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے: وہ یہ ہیں:

(۱) خوف و خطر (۲) فاقہ کشی

(۳) جان اور مال کے نقصانات (۴) آدمیوں کا گھانا

غور کیا جائے تو باطل کی قوتیں انہی چاروں ذرائع سے حق پسندوں کو دبانے اور اپنی راہ پر لانے کی کوشش کرتی ہیں، کوئی حق کی شہادت دینا چاہے تو پہلے اسے خوف زدہ کیا جاتا ہے جیسے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا پر ایمان لانے والے درباریوں سے کہا تھا: ترجمہ: تم اس پر ایمان لے آئے بل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دار السلطنت میں کی تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو، اچھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہو جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹاؤں گا اور پھر تمہیں سولی پر چڑھاؤں گا۔“ (۴:۱۳۳-۷)

اسی طرح ہر ظالم اپنے مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کے بعد معاشی طور پر تباہ کرنے کی

کوشش کرتا ہے تاکہ وہ بھوک پیاس اور دیگر ضروریات سے محرومی کے باعث حق سے منہ موڑے اور باطل کے آگے سرنگوں ہو جائے اس پر بھی کام نہیں چلتا تو جائیداد اور املاک پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے اور پھر جان لینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ مفسرین نے ثمرات میں ذرائع آمدنی کے ساتھ اولاد کو بھی شامل کیا ہے، ظالم کسی کی جان لینے سے زیادہ دباؤ کے ہتھکنڈے کے طور پر اس کی اولاد کو پکڑتا اور قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے، شہادت حق کا فریضہ انجام دینے والا اللہ کا مخلص بندہ جب ان تمام مراحل سے گزرتا ہوا جان جان آفریں کے سپرد کرتا ہے اور اپنے رب سے کئے گئے عہد بندگی کو نبھاتا ہے تب وہ شہادتِ عظمیٰ کے منصبِ جلیلہ اور ہمیشہ کی زندگی کے انعام سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اس پس منظر میں اب شہید کر بلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس شہادت کی عظمت و اہمیت کا جائزہ لیجئے، حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک حق و باطل کے درمیان کشمکش توحید و رسالت اور کفر و شرک کے درمیان رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کار نبوت اُمت کو تفویض ہوا جو عالم انسانیت پر حق کی گواہ ٹھہرائی گئی اور اس کی کارکردگی پر رسول کو گواہ بنایا گیا۔ اُمت کا کام یہ تھا کہ اب بگاڑ کی صورت جہاں بھی ابھرے وہ اس کی اصلاح کے لئے حق کی علمبردار بن کر اٹھے اور دین حق کو خدا کا آخری نبی جس سیاسی، معاشی اور معاشرتی اور عدالتی نظام کی صورت میں چھوڑ کر جا رہا ہے وہ اس کے تسلسل کو قائم رکھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تاریخ کے جس مرحلے پر شہادت حق کا فریضہ انجام دینا پڑا اس وقت صورت حال یہ تھی کہ خلافتِ ملوکیت میں تبدیل کر دی گئی تھی، یزید پر عائد کئے جانے والے الزامات کی تفصیل سے قطع نظر تین خرابیاں ایسی تھیں جن پر تمام مورخین اور ہر مکتبہ فکر کا اتفاق رائے ہے۔

(۱) یزید کی بیعت دولت اور تلوار کے بل پر جبراً حاصل کی گئی تھی۔ (۲) یزید کو کسی استحقاق کے بغیر محض موروثی سلسلہ چلانے کے لئے خلیفہ بنایا گیا تھا۔ (۳) یزید خیر اُمت نہ تھا، اہلیت کی فضیلت تو اپنی جگہ اس وقت صحابہؓ اور تابعین کی صفوں میں بے شمار لوگ اس سے علم، کردار اور زہد و تقویٰ میں بہتر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح ارشاد بھی

سامنے تھا کہ جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی و حاکم بنا دیا کہ اس سے بہتر اور صالح المسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نواسہ رسول تھے، ان سے یہ قطعی بعید تھا کہ وہ کچھ لے دے کر یا تلوار کے خوف سے یزید کی ناجائز خلافت کو تسلیم کر کے خیانت کے مرتکب ہوں۔ انہوں نے بیعت یزید سے انکار کر کے شہادت حق کا فریضہ انجام دیا۔ فاسق کی بیعت پر موت کو ترجیح دی اور سورہ حشر کی آیات میں بیان کردہ تمام آزمائشوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزرے۔ انہوں نے مردانہ وار ہر نوعیت کے دباؤ اور خوف و خطر کا مقابلہ کیا، اپنا گھر بار اور اپنی آمدنی کے سارے ذرائع اور وسائل چھوڑے، میدانِ کربلا میں بھوک اور پیاس کی اذیتوں کو برداشت کیا اور اپنے ثمرات میں اپنے تمام جگر گوشوں حتیٰ کہ دودھ پیتے علی اصغر تک کو قربان کر ڈالا۔ تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی، بیک وقت جان، مال، حرمت و ناموس، اولاد، گھر بار، وطن اور جائیداد سبھی کی ایسی قربانی دی گئی ہو کہ کچھ بھی بچا کر نہ رکھا گیا ہو یہ اتمامِ حجت کا فقید المثال واقعہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس شہادت نے حق کا بول اس طرح بالا کیا کہ وہ ملوکیت اور جبر و استبداد کی قوتوں کے خلاف مظلوموں اور حق پرستوں کے لئے قیامت تک کے لئے روشن مثال بن گئے۔

حسین رضی اللہ عنہ کا نام دلوں میں جرأت، قوت مزاحمت اور باطل سے ٹکرا جانے کا عزم و حوصلہ ابھارتا ہے اور جان دے کر کبھی نہ مرنے کا گر سکھاتا ہے۔

(Martyrdom) شہادتِ حسین درحقیقت شہادت حق ہے، آج جس کسی کو ظلم و استبداد کے خلاف حق کا پرچم بلند کرنا ہے اس کے لئے اسوۂ حسین رضی اللہ عنہ کی پیروی کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں، کسی بھی اسلامی ریاست میں حکومت کے جواز کا مسئلہ جب بھی زیر بحث آئے گا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مثال ہماری رہنمائی کرے گی اور ملوکیت و آمریت کے خلاف جدوجہد میں ہمیں قوت و استقامت اور عزم و حوصلہ عطا کرتی رہے گی۔

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

علماء عراق کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے طلاق بائن کی قسم کھائی کہ اگر وہ زمین پر ایسی عبادت نہ کرے جسے دوسرے کر رہے ہوں تو اس کی بیوی پر طلاق۔ علماء کرام نے بڑا غور کیا مگر کسی کی سمجھ میں اس کا حل نہ آیا۔ پیران پیر کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص مکہ معظمہ جائے اور مطاف کو خالی کرا کے طواف کرے، قسم پوری ہو جائے گی۔ تمام علماء کرام نے اس جواب کو پسند کیا۔ آپ نے ایک مؤحد مومن کی طرح بارگاہ الہی میں عجز و بندگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ سبحان من انعم علیہ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس بندہ پر یہ انعام فرمایا)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایسے ولی کامل تھے جن کی شخصیت نہ تو پانچویں صدی میں تعارف کی محتاج تھی اور نہ آج پندرہویں صدی کے مسلمان آپ کے مقام و مرتبہ سے ناواقف ہیں اور آج عالم اسلام میں آپ کو جو مقام حال ہے وہ آپ ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ علماء کرام ہوں یا اہل تصوف، مفسرین ہوں یا معلمین اور زاہدین ہوں یا عابدین، کوئی بھی آپ کی امتیازی حیثیت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ کے عہد سے لے کر آج تک جتنے بھی اہل کمال اور اہل علم و فضل گزرے ہیں وہ سب کے سب آپ کی جلالت شان اور رفعت و دستگاہ کے معترف رہے ہیں۔ آپ نے نظامیہ میں تکمیل علوم کی، پھر خود درس دینے لگے۔ صبح و شام تفسیر المذہب اور حدیث، مذہب و اخلاقیات اور اصول و نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد بغداد شریف لائے۔ درس علوم کے ساتھ درس توحید کو بھی شامل فرمایا۔ دنیائے اسلام میں آپ کی شہرت و عظمت کا آوازہ پھیل گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ مرجع الخلاف ہو گئے۔ حتیٰ کہ علماء عراق مشکل مسائل میں آپ سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ اہل حدیث، اہل فقہ، اہل کلام اور اہل تصوف سب نے آپ کا امام ہونا تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ پیران پیر کا لقب عالی آپ ہی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔

حضرت شیخ ابتداء شافعی المذہب تھے بعد ازاں جنبلی مسلک اختیار کر کے امام احمد بن حنبلؒ کے اصول پر مسائل کا استنباط قرآن مجید اور حدیث پاک سے فرمایا کرتے۔ آپ

توحید کے علمبردار اور اتباع سنت کے خوگر تھے۔ آپ کا ہر درس توحید کے پرچار اور احیائے سنت پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ آپ اپنے متبعین کو ان الفاظ میں نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اتباع کرنا سیکھو، بدعت کے کام مت نکالو، اطاعت کیا کرو، الگ راہ اختیار نہ کرو، گناہوں سے طہارت حاصل کرو، ان میں آلودہ نہ ہوا کرو، اپنے مالک کے آستانے پر ڈٹے رہو، صبر رکھو، بے صبری سے بچو، ثابت قدم رہو، تفرقہ سے بچو، رحمت الہی سے مایوس مت ہو، ذکر الہی کے لئے اکٹھے ہو جایا کرو اور فرقہ فرقہ مت بنو، آپ یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ اپنی نفسانیت سے علیحدہ ہو جاؤ اور دعویٰ ملکیت سے دست بردار ہو جاؤ اور ہر چیز کو مالک کے سپرد کر دو اور اپنے دل کے دروازے پر دربان بن کر بیٹھ جاؤ، جسے اندر جانے کی اجازت ہے اسے اندر جانے دو اور جس کے لئے اجازت نہیں ہے اسے روکو اور یاد رکھو کہ ہوا و خواہش کو قلب کے اندر نہ جانے دو، یہ تجھے ہلاک کر دے گی۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ اپنے احوال کی شکایت کسی دوسرے سے مت کرو، نہ دوست سے نہ قرابت دار سے کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے، کسی مخلوق پر بھروسہ مت کرو اور کسی کو دل کی حالت بھی مت بتاؤ۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی کے قبضے میں ہر چیز ہے وہی مشکل کشا ہے، اگر وہ تجھے ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی اسے دور کرنے والا نہیں، نیز فرمایا کہ بادشاہوں کے دربار میں لوگ تب ہی جاسکتے ہیں کہ جب پاک و صاف ہوں، پھر شہنشاہ حقیقی، احکم الحاکمین کے دربار میں گناہوں کی نجاست اور شرک کی آلودگیوں کے ساتھ داخلہ کیونکر مل سکتا ہے؟

آپ قرآن و حدیث کو کس قدر اہمیت دیا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اس کے اعمال کو کتاب و سنت کے سامنے لاؤ۔ اگر اس کسوٹی پر اس کے اعمال پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت کیا کرو اور مکروہ ثابت ہوں تو خود بھی اس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تب تمہاری محبت یا بغض کی بنیاد ہوائے نفسانی ہوگی اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل اللہ

ترجمہ:- ہوائے نفس (خواہش) کی پیروی نہ کرو، وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے گی۔

حضرت شیخ کے دور سے لے کر آج تک کے اولیاء اللہ و اکابرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ کا ہر قدم قرآن و سنت کے مطابق اٹھتا تھا اور آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ کبھی آپ کے قول و فعل میں تضاد نہیں پایا گیا اور یہی اولیاء اللہ کی پہچان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے اتباع نے ہی چہار اطراف عالم میں آپ کو وہ عزت و محبوبیت بخشی کہ آج تقریباً دس صدیاں گزرنے کے باوجود اہل اسلام کے قلوب سے آپ کی محبت کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور وہ سورج جو گیلان سے طلوع ہوا، بغداد میں چمکا، آج مشرق تا مغرب اپنے علوم و فرمودات کی روشنی بکھیر رہا ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں میں اس کی محبت کی شمع روشن رہے گی کیونکہ جو اللہ رب العلمین کا ہو جاتا ہے تو اللہ ارحم الراحمین اس کا ہو جاتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتا ہے اس سے جبرئیل امینؑ محبت کرنے لگتے ہیں اور جس سے فرشتے محبت کرنے لگتے ہیں اس سے تمام انس و جن، چرند و پرند محبت کرنے لگتے ہیں لہذا آج محبوب ربانی، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی محبت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا ہے تو اس میں کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعلیمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ آپ ساری زندگی بھٹکے ہوئے بندوں کو اپنے رب سے ملاتے رہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کی اصل تعلیمات کو عام کیا جائے۔ آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں جن میں سے زیادہ مشہور غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں۔ ان تصانیف میں حضرت شیخ کی اصل شخصیت و افکار پوشیدہ ہیں لہذا انہیں عام کرنے کی ضرورت ہے اور جن تصانیف کے اردو تراجم موجود نہیں ہیں انہیں بھی ترجمہ کر کے عوام الناس میں متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔

حضرت کی تصانیف سے لاعلمی کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک ایسی ہستی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا دوست جو توحید، توحید اور سنت، سنت کہتے کہتے اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اس کے نام پر شرک و بدعت کا بازار گرم ہوا پڑا ہے۔ آپ کے نام سے ایسے ایسے من گھڑت واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ جنہیں سن کر حضرت شیخ کے سامنے نہ تو رب کائنات کا کوئی مقام نظر آتا ہے اور نہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (نعوذ باللہ) یہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تو گستاخی ہے ہی، حضرت شیخ

کی تعلیمات کا بھی صریح انکار ہے اور ایسا کرنے والوں سے قیامت کے روز ضرور باز پرس ہوگی کیونکہ بزرگ تو بزرگ انبیاء کا بھی قابل رشک مقام یہ ہے کہ وہ عبد کامل ہوں نہ کہ انہیں معبود قرار دے دیا جائے (نعوذ باللہ)

حضرت شیخ سے حقیقی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کے اصل تعلیمات پر عمل کیا جائے اور آپ کی تعلیمات وہی ہیں جو قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حضرت شیخ جس قدر موحدا و تتبع سنت تھے اسی قدر ان کے نام پر شرک و بدعت کو رواج دیا جا رہا ہے اور جو سلوک عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا اور انہیں خدا کے درجے تک پہنچا دیا (نعوذ باللہ) وہی سلوک ہم حضرت شیخ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ کیا یہی حضرت شیخ کی تعلیمات ہیں؟

علماء کرام اور بزرگانِ دین کی قدر کیجئے

ایک مرتبہ شیطان نے اپنے چیلوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا: تمہارے لئے عالم کو دھوکا دینا آسان ہے یا جاہل کو؟ اس کے چیلوں نے کہا: عالم کو دھوکا دینا آسان ہے، جاہل تو پتھر کی لکیر کی طرح جہاں لگا ہوا ہے وہاں سے ہٹتا ہی نہیں۔ شیطان بولا: تم غلط کہتے ہو، آؤ میرے ساتھ چلو اور سبق لو۔ شیطان ان کو ایک مسجد میں لے گیا، وہاں ایک اسی سالہ بڑے میاں عبادت میں لگے ہوئے تھے، مگر تھے ان پڑھ، شیطان ان سے بولا: حضرت جی! السلام علیکم۔ بوڑھے نے پوچھا: تم کون ہو؟ شیطان کہنے لگا: میں جبریل ہوں، تمہیں اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے، تمہیں معراج ہوگی۔ بس بڑے میاں شیطان کے قدموں میں گر پڑے اور کہنے لگے: میری تو قسمت ہی کھل گئی کہ تم مجھے لینے آئے ہو۔ شیطان بولا: جلدی کرو، غسل کر کے سفید کپڑے پہنو، میں ابھی براق لے کر آتا ہوں، بڑے میاں جھٹ پٹ تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ شیطان ایک گدھے کو پکڑ لایا اور اس پر لال کپڑا ڈال کر مسجد کے دروازے پر کھڑا کر دیا اور بولا: حضرت جی! براق آ گیا ہے، چلو سوار ہو جاؤ۔ بڑے میاں فوراً اس پر سوار ہو گئے۔ شیطان گدھے کا کان پکڑ کر چل دیا۔ بڑے میاں خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہا ہوں۔ چلتے چلتے شہر کے بڑے نالے جس میں گنداپانی بھرا ہوا تھا، میں دھکا دے کر گر ادا۔ بڑے میاں گندگی سے بھر گئے۔

شیطان اپنے چیلوں سے بولا: تم نے دیکھا، جاہل آدمی کو بہکانا اور دھوکا دینا کتنا آسان ہے، آؤ! اب ایک عالم دین کے پاس چلیں۔

ایک مسجد کے حجرے کے دروازے پر جس میں ایک بزرگ عالم دین آرام فرما رہے تھے، شیطان نے کھڑے ہو کر آواز دی: حضرت جی! ذرا جاگو، میری بات سنو۔ وہ بولے: ارے کون ہے جو رات کو بھی آرام نہیں کرنے دیتا؟ شیطان نے کہا: مولوی جی! میں جبریل ہوں، آپ کو لینے آیا ہوں، آپ کو معراج ہوگی۔ عالم دین کہنے لگے: ابے شیطان کے بچے! میں کوئی نبی ہوں، جبریل تو نبیوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ ذرا ٹھہر! میں ابھی ڈنڈے سے تیری خبر لیتا ہوں۔ شیطان اپنے چیلوں سے یہ کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا کہ دیکھا

تم نے، دین کا صحیح علم رکھنے والے کو مکرو فریب میں لانا کتنا مشکل ہے؟

اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان اس لئے اشرف المخلوقات ہے کہ اسے علم کی دولت سے نوازا گیا ہے۔ علم ہی وہ واحد وسیلہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچان سکتا ہے۔ علم ہی انسان میں اچھے، برے کی تمیز اور دائمی کامیابی و ناکامی کا شعور پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دنیا تخلیق فرمائی تو سب سے پہلے قلم بنایا اور پھر قرآن مجید میں قسم کھا کر قلم کی اہمیت کو اجاگر کیا:

(ن والقلم وما یسطرون) قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ (القلم، پ ۲۹)

علم کا ماخذ خالق کائنات ہے اور اگر اسماء الہی کی درجہ بندی کی جائے تو تمام صفات الہیہ میں علم کی صفت سب سے نمایاں نظر آئے گی۔ مثلاً الخیر، العلیم، علام الغیوب، علیم بذات الصدور، السميع، البصیر، المتکلم، الواجد، الشہید، الحسیب، المحصى، المدبر، الحکیم، القریب، المودع، النور، الہدی، الجامع، الظاہر، الباطن، الحق اور الحکم وغیرہ وغیرہ۔

علم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی امتیازی وصف تھا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور اللہ نے سکھادیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام۔ (سورہ بقرہ، پ ۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔ (سورہ ص، پ ۲۳)

اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ (سورہ قصص، پ ۲۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کی قدر و منزلت کا پورا پورا احساس تھا، اسی لئے انہوں نے جہالت سے اللہ کی پناہ مانگی:

پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں کے گروہ میں۔ (بقرہ، پ ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے، باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے گود میں اور جب کئی عمر کو پہنچا اور جب

سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔ (المائدہ۔ پ ۷)
نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے جانے والے علم کو رب کائنات نے
بڑی رحمت اور فضیلت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ آپ نہیں
جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے، پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری
آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں
ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے۔ (بقرہ پ ۲)

خالق کائنات نے اہل علم کو دوسروں پر فضیلت بخشی ہے، جب کہ احادیث میں علماء کو
انبیاء کا وارث قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اللہ تعالیٰ ان کے جوتم میں سے ایمان
لائے اور جن کو علم دیا گیا، درجات بلند فرمائے گا (المجادلہ۔ پ ۲۸)

اہل علم کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی
اس سے پوری طرح ڈرتے ہیں۔ (خاطر۔ پ ۲۲)

اہل علم کو ترجیح دیتے ہوئے عوام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ علم والوں کی پیروی کریں۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہی کے طریقے کی پیروی کرو۔
(الانعام۔ پ ۷)

حاصل کلام یہ کہ ہمیں خود بھی علم کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے اور علماء کرام کی پیروی
وقدر بھی کرنا چاہیے۔ نیز صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، بزرگان دین اور علماء کرام پر تنقید
اور ان کی شان میں گستاخی کرنا ہمیں کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا بلکہ اس سے ہمارا ایمان
بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ ویسے بھی کسی پر تنقید کیلئے ضروری ہے کہ تنقید کرنے والے کا
مقام یا تو اس شخص سے اونچا ہو یا کم از کم برابر ہو جبکہ ہم ان محترم ہستیوں کے پاؤں کی خاک
کے برابر بھی نہیں ہیں اس کے باوجود ان کی شان میں گستاخی کرنا یقیناً اپنی دنیا و آخرت
دونوں برباد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہستیوں کی حقیقی محبت اور احترام
کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اللہ کے احکامات

کلام پاک دستور حیات:

قرآن پاک کے باغیوں پر رسول اللہ ﷺ کا مقدمہ اور شفاعت سے محرومی

اس سے پہلے کہ تم پر ناگہانی عذاب آجائے جس کی تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی
کتاب جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے، کی پیروی کرو۔ جناب
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اللہ رب العزت سے شکایت کریں گے کہ
میرے پروردگار میری قوم نے کلام پاک کو چھوڑ دیا تھا۔ چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً:

☆ کلام پاک سے انکار کرنا

☆ کلام پاک پر ایمان نہ لانا

☆ کلام پاک میں غور و فکر نہ کرنا

☆ کلام پاک کو سوچ سمجھ کر نہ پڑھنا

☆ کلام پاک میں جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل نہ کرنا

☆ کلام پاک میں جن کاموں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب نہ

کرنا، ناچ گانوں میں مشغول ہونا، ناول وغیرہ پڑھنا، بے پردگی، آزادانہ

میل جول، مرد و عورت کا میل جول سے نہ رکنا بھی کلام پاک کو چھوڑ دینا ہے۔

لوگوں نے کلام پاک کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے، قرآن شریف کا مطلب

یہ نہیں ہے کہ قرآن خوانی کروادی جائے اور لٹوکھائے جائیں اور چائے پی جائے۔

آپ تو بس یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا قرآن پاک دیا ہے، قربان جاؤں اللہ کے، سرکش

شادی کی تقریبات کے اختتام پر باپ اپنی بیٹی کو کلام پاک کے سائے میں رخصت کرتے

ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ کلام پاک پر خود عمل کیا اور نہ اپنی بیٹی کو اس پر عمل کرنے کی

ہدایت دی اور نہ ترغیب دی۔ یاد رکھئے ایک روز حساب ہوگا، پوچھا جائے گا کہ قرآن

شریف کا کیا مطلب سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں شکایت کریں گے:

ترجمہ: اے میرے رب میری امت نے اس قرآن پاک کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ (سورۃ الفرقان آیت نمبر: ۳۰)

سوچئے اس وقت آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محرومی:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوق آ کر کہے گی کہ ہماری شفاعت کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چل پڑوں گا اور اللہ رب العزت سے اجازت مانگوں گا اور مجھے اجازت دے دی جائے گی، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر اللہ پاک ایک حد متعین کر دیں گے کہ آپ اتنے بندوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائیے، چنانچہ ان لوگوں کو شفاعت کر کے جنت میں داخل کرادوں گا، پھر میں دوبارہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اجازت سے ایک مقدار متعین مقررہ کی شفاعت کروں گا جن کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا، پھر میں تیسری مرتبہ لوٹ کر آؤں گا اور پھر میں چوتھی مرتبہ لوٹ کر آؤں گا۔

(عمدة القاری، ۱۰۰/۳۴، حدیث ۶۷۷۷)

اور چوتھی مرتبہ مجھے یہ بتایا جائے گا کہ جہنم میں صرف دو قسم کے بندے رہیں گے، ایک وہ جسے قرآن روکے گا اور دوسرا وہ جن کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا ہے یعنی اب ایمان والوں میں سے صرف جہنم میں دو قسم کے بندے رہ گئے ہیں، کافر، منافق اور مشرک جو جہنم میں رہیں گے ہی، شفاعت کی بات ایمان والوں کے لئے ہو رہی ہے تو ان میں سے کون باقی بچے گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دو طرح کے لوگ بچ جائیں گے۔

(۱) وہ بندے جسے قرآن پاک روکے گا:

یا اللہ! یہ مجھے پڑھا نہیں کرتا تھا، اخبار پڑھتا تھا، یہ ٹی وی دیکھتا تھا، یہ دوستوں کے

ساتھ گپیں لگاتا تھا لیکن میری طرف اس کی کوئی توجہ نہیں تھی، اس نے میرا حق ادا نہیں کیا۔ جس کو قرآن شریف روکے گا اس کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ جہنم میں رہ جائے گا۔ آج ہم سوچیں کہ کیا ہم ایک مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کر لیتے ہیں، دو مہینے میں کر لیتے ہیں، ایک سال میں کم از کم دو مرتبہ قرآن کا پڑھنا یہ عوام الناس پر قرآن کا حق ہے۔

حافظ قرآن کے لئے اتنا پڑھنا کہ قرآن پاک یاد رہے یہ قرآن کا حق ہے۔ اب رمضان حافظ ذرا سوچیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہو جائے گی اور گناہ گار جنت میں چلے جائیں گے مگر قرآن پاک کا حق ادا نہ کرنے والے جہنم میں ہی رہیں گے۔

(۲) اور جس کے لئے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، کا کیا مطلب؟:

ایمان والا اور جہنم میں ہمیشہ رہنا ہوگا!! جی ہاں! کچھ گناہ ایسے ہیں جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (البقرہ: ۱۶۲) مثال کے طور پر کسی ایمان والے کو قتل کرنا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: (سورۃ النساء: ۹۳) ”جو کسی ایمان والے کو اراداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے، وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔“



قربانی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی یادگار کو رہتی انسانیت تک قائم رکھنے کے لئے تمام مسلمانوں کو قربانی کا حکم فرمادیا، عید کا دن آتے ہی مسلمان اس حکم کی تعمیل میں لاکھوں کروڑوں جانوروں کا خون بہا دیتے ہیں، یہ سب تعمیل حکم کی روشن مثالیں ہیں، اصل چیز جس کا بندے سے مطالبہ کیا گیا ہے وہ اتنا مال امر ہے، مالک کے ارشاد کی تعمیل، ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہماری قربانی کی کیا ضرورت ہے؟ ان تک جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بس وہ تو یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون ہے جو بے چوں و چرا ہمارا حکم مان لیتا ہے اور کون ہے جو اس میں پس و پیش کرتا ہے، بس اسی سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ قربانی کی حقیقت اور روح یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنی خواہشات کو قربان کر دیا جائے۔ بظاہر تو قربانی جانور کی کی جاتی ہے مگر درحقیقت اس کا مقصد یہ ہے کہ یا اللہ! ہم تیرے حکم کے بندے ہیں، تیرے احکام کی تعمیل میں ہم اپنی خواہشات نفسانیہ کو قربان کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہم اپنی جان تجھ پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔

داڑھی نہ رکھنا، بے پردگی، ناچ گانا اعلانیہ گناہ ہے۔ صورت باغیوں والی، سیرت باغیوں والی، مردوں کے چہروں پر داڑھی نہیں، عورتوں کے چہرے پر پردہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم سے بغاوت ہے، جانور کی قربانی کے ساتھ ہم گناہوں کو چھوڑ کر راہ راست اختیار کریں۔



فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

دنیا کو پرسکون اور آخرت کو خوشگوار بنائیے

- (۱) اللہ کی رحمت ہو اُس شخص پر جو نرم خور و فراخ دل ہو..... خریدنے میں، بیچنے میں اور تقاضا کرنے میں۔
- (۲) وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو دینے وقت بہتر اور برتر ادا کرے۔
- (۳) سچائی اور امانت داری سے معاملات کرنے والا تا جہ آخرت میں نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
- (۴) وہ گوشت اور جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہو، دوزخ ہی کے لائق ہے۔
- (۵) جس شخص نے عیب والی چیز خریدار کو عیب بتائے بغیر فروخت کر دی اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کریں گے۔
- (۶) اپنے مال کو بیچنے میں کثرت سے قسم کھانے سے بچو، یہ چیز (وقتی طور پر تو) تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن آخر کار برکت کو ختم کر دیتی ہے۔
- (۷) مالدار کو اگر کسی کا پیسہ ادا کرنا ہو اور وہ ٹال مٹول کرے تو ایسا کرنا ظلم ہے۔
- (۸) اے لوگو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور رزق کی تلاش میں غلط طریقہ مت اختیار کرو، اس لئے کہ کوئی شخص اپنا رزق پائے بغیر نہیں سکتا، البتہ اُس کے پانے میں کچھ دیر ہو سکتی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرو، وہی حاصل کرو جو حلال ہے اور اُس سے بچو جو حرام ہے۔
- (۹) جو اللہ کے پاس ہے اُس پر نظر رکھو تو اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے اور جو کچھ بندوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو بندوں کے محبوب بن جاؤ گے۔



آسمان: اللہ کی تخلیق کا کرشمہ

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کائنات، بالخصوص آسمان وزمین کے نظام قدرت پر غور و فکر کی تعلیم دی گئی ہے۔

آسمان کیا چیز ہے؟ آیا یہ نظر کا واہمہ ہے یا کوئی ٹھوس حقیقت ہے؟ مغرب کے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ فضا کی لامتناہی وسعتوں میں یہ نظر کی حد ہے، جو انسان کو نیلے رنگ کی نظر آتی ہے، اُن کا کہنا ہے کہ جس طرح سمندر کا پانی اپنی حد نظر سے نیلا نظر آتا ہے، اسی طرح فضا بھی حد نظر کے بعد نیلی نظر آتی ہے؟ لیکن کیا یہ نظریہ صحیح ہے؟ کیا ہمارا ایمان اسے درست تسلیم کرتا ہے؟ آئیے! اس کا جائزہ لیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ مغرب نے اپنی زندگی سے خدا کو بے دخل کر دیا ہے، اس لیے کائنات کی بے شمار حقیقتوں کو پالینے کے باوجود انہیں خدا نہیں ملتا۔ وہ سارے راز سے پردے اٹھا لیتے ہیں لیکن جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پاتے۔ بقول شاعر۔

دور کو سلجھا رہا ہے سرا ملتا نہیں

مغرب کا سائنس دان یہ تو بتا سکتا ہے کہ آخری دنوں میں چوزے کی چونچ پر ایک سخت چیز پیدا ہو جاتی ہے، جس کی چوٹ سے انڈا ٹوٹتا اور چوزہ برآمد ہوتا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتاتا کہ چوزے کی چونچ پر یہ سخت چیز آخری دنوں میں کون پیدا کرتا ہے؟

آسمان کے بارے میں اسلام کا نظریہ مغرب کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ آسمان اپنا ایک ٹھوس وجود رکھتا ہے۔ یہ محض حد نظر کی دوری کا نام نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ آسمان کو رب کائنات نے باقاعدہ تخلیق کیا ہے۔ قرآن نے بتایا کہ ایک آسمان نہیں بلکہ تعالیٰ نے تہہ بہ تہہ سات آسمان پیدا کیے ہیں۔ (سورۃ الملک)

اس ضمن میں مزید آیتیں قابل توجہ ہیں (ارشاد ہوا) ”اُس نے آسمان کو بلند کیا۔“ (سورۃ رحمن)

ایک مقام پر فرمایا گیا: ”اچھا تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ ہم نے اسے کس طرح تخلیق کیا اور آراستہ کیا ہے؟ اور اس میں کہیں کوئی رخ نہ نہیں ہے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ”آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔“

ان آیات کے ذریعے ہمیں صاف پتا چل رہا ہے کہ آسمان نظر کا دھوکا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک منظم اور منصوبہ بند تخلیق ہے۔ مزید یہ کہ اگر آسمان حد نظر کا نام ہے تو یہ یہاں سے وہاں تک، یکساں ہموار اور مسطح نہ ہوتا بلکہ اکثر مقامات پر اس پر اتار چڑھاؤ اور جھول نظر آتا۔ اسی بات کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا: ”تم رحمٰن کی تخلیق (آسمان) میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو! کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔“ (سورۃ الملک)

قرآن پاک میں آسمان کی تخلیق کے بارے میں محض یہی دو تین آیات نہیں ہیں بلکہ اور بھی دیگر آیات ہیں جن کے ذریعے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے منصوبے کے تحت اپنے ہاتھوں سے خود بنایا ہے۔

اس کے علاوہ قیامت کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان کا ذکر علیحدہ سے کیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا، اُس کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، وہ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا اور اُسے بری طرح ڈگمگا دیا جائے گا مثلاً یہ آیات دیکھیے: ”جب آسمان پھٹ جائے گا۔ (سورۃ الانفطار) جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اُس کے لیے حق یہی ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے۔ (سورۃ الانشقاق) جب آسمان بری طرح ڈگمگائے گا۔ (سورۃ طور)

ایک موقع پر فرمایا گیا: ”جب آسمان پھٹ جائے گا اور (پھٹ کر) لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ (سورۃ رحمن)

پھر قرآن پاک کی ایک اور آیت دیکھیے، جس میں کہا گیا ہے: ”وہ دن جب کہ ہم

آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے، جیسے طور مار میں اوراق لپیٹ دیتے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے آسمان کا پھٹنا، ڈمگانا، سرخ ہو جانا اور طومار کی طرح لپیٹ دیا جانا بھی یہی ظاہر کر رہا ہے کہ یہ سات آسمان اپنا کوئی ٹھوس وجود رکھتے ہیں اور یہ کہ نظر کی انتہا والا سائنس کا نظریہ ایک غیر حقیقی بات ہے، اگر آسمان ٹھوس وجود نہ رکھتے تو نہ پھٹتے، نہ ڈمگاتے اور نہ اوراق کی طرح لپیٹے جاتے۔

اس کے علاوہ آسمان کی ٹھوس حقیقت پر اس لحاظ سے بھی غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ آسمان ہی پر ایک بیت المعمور ہے، جہاں لاکھوں فرشتے دن رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، یہاں تک کہ ایک فرشتہ جب بیت المعمور کا طواف کر لیتا ہے تو پھر اُس کی باری لوٹ کر کبھی نہیں آتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش بھی سات آسمانوں کے اوپر ہے، جہاں ایک پیری کا درخت ہے، جسے ”سدرۃ المنتہی“ کہتے ہیں۔ رب ذوالجلال سے بالمشافہ ملاقات کے لیے اس درخت کے آگے جانے سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے ہیں۔ صرف نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہی سے آگے جانے کی اجازت دی تھی۔

”واقعہ معراج“ میں ہمیں یہ حقیقت بھی ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانوں کی طرف گئے تو وہاں پر آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کسی نہ کسی نبی سے ضرور ہوئی تھی۔ کسی آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما تھے، کسی پر حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے، کسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ سات میں سے ہر آسمان پر جبرائیل علیہ السلام جب بھی دروازہ کھٹکھٹاتے تھے تو شناخت کے بعد اوپر سے فرشتے ہر آسمان کا دروازہ کھولتے اور پھر اُس پر موجود تمام فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہتے تھے۔

مزید برآں آسمانوں ہی پر اللہ تعالیٰ کی جنت اور دوزخ دونوں پائے جاتے ہیں،

جہاں دنیا کے انسانوں کو اُن کے اعمال کے مطابق مقام حاصل ہوگا۔

لہذا ان حقائق سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ ہمارے اوپر سات آسمان کا ایک باقاعدہ ٹھوس وجود موجود ہے۔ مغرب سائنس کی بنیاد پر دنیا کو مرعوب رکھتا ہے لیکن جس کے پاس قرآن کریم موجود ہو، وہ اس طرح کے غیر حقیقی سائنسی بیانات سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں اس حوالے سے اس طرح فرمایا گیا: ”جسے اللہ نور نہ بخشے، اس کے لیے پھر کوئی نور نہیں ہے۔ (سورہ نور)۔“



اسلام میں حلال اور صحت افزا غذا کی اہمیت

حلال اور پاکیزہ رزق کا حصول ایک دینی فریضہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حلال اور حرام رزق کے اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کھاؤ اور پیو حلال چیزوں میں سے جو تمہارے لیے ہیں“۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”ہاتھ سے روزی کمانے والا (رزق حلال کمانے والا) اللہ کا دوست ہے“۔ دُعا کے مقبول ہونے میں ”رزق حلال“ کی بہت اہمیت ہے۔ مسلمانوں پر ”حلال اور پاکیزہ“ چیزوں کو مشروط کیا گیا ہے، مسلمان واحد اُمت ہے جسے کھانے پینے کے باقاعدہ آداب بتائے گئے اور یہ آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت تک پہنچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ صرف حلال اشیاء کھاؤ پیو ورنہ حرام کا ایک لقمہ بھی معدے میں پڑتے ہی ایمان کو زائل کر سکتا ہے۔ حلال و حرام میں تمیز کرنے کا پہلا فارمولہ یہ ہے کہ جو چیز کھائی جا رہی ہے، وہ پاکیزہ یعنی صاف ستھری ہو، نجاست اور گندگی سے دور ہو۔ اسے رزق حلال کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو۔ ان تمام باتوں کے علاوہ اسے حفظانِ صحت کے اصولوں کے عین مطابق ”تیار“ کیا گیا ہو، وہ شے گرد و غبار اور کھیبوں، مچھروں اور دیگر حشرات الارض کی پہنچ سے دور ہو۔ باورچی خانے کا ماحول صاف ستھرا اور غذا تیار کرنے والے کا جسم و ہاتھ صاف ستھرے ہوں۔ اسلام میں ”صفائی“ کو نصف ایمان کہا گیا ہے، تو اسی صفائی کو غذا کی تیاری میں بھی ملحوظِ خاطر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غذا کو جزو بدن بننے کے لیے سب سے پہلے عذائیت سے بھرپور ہونا چاہیے، بھرپور ہونے کا مطلب صرف مرغن اور چربی لے کھانے نہیں ہیں اور نہ ہی اپنے معدے کو حیوانی گوشت کی آماجگاہ بنانے کے لیے کہا گیا ہے بلکہ اصل غذا وہی ہے جو سادہ اور صاف ستھری ہو اور عذائیت سے بھرپور ہو۔

حلال اور پاکیزہ غذا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر کھجور، انگور، سیب اور

انار کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ زیتون کو بھی بہترین غذاؤں میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کبھی گھر میں کوئی بیمار پڑتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کا دلہ تیار کرنے کی تاکید فرماتے، پھر چاہے وہ مریض شفاء یاب ہو جائے یا وہ وفات پا جائے تو تمام گھر والے اور مریض اسی دلیے کا استعمال کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو اور جواریں میں بڑی تاثیر ہے۔ حلال اور پاک غذا کا مراتب ہی ہے کہ جب اسے حلال ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے باغ میں اس کی دیکھ بھال پر مامور تھے اور وہ صلے کے طور پر آپ کو صرف مٹھی بھر کھجوریں دے دیا کرتا۔ آپ ان کھجوروں میں سے کچھ خیرات کر کے باقی گھر میں لے آتے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے ایک یہودی کے باغ میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے۔ ”سورۃ البقرہ“ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ کا، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو کہ اسی نے حرام کیا ہے تم پر مردار، خون اور سور کا گوشت اور ذبیحہ جسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

کھانے پینے کی اشیاء کی صفائی: ”اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ بازار میں خریداری کے دوران بغیر دھلے پھل اور سبزیاں کھا لیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں آیا ہوا یا فصل کا نیا میوہ ہمیشہ دھو کر استعمال فرمایا۔ ایک مرتبہ مکے میں قحط پڑا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گندم کی کئی بوریاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ پہلے انہیں دھو کر سکھاؤ اور پھر چکی میں پیس کر اس کا آٹا بناؤ۔ (متفق علیہ)

جیسا کہ آج کل اچھی پیداوار کے لیے مختلف قسم کی کیمیائی اشیاء کا استعمال کیا جاتا ہے اور مختلف دواؤں کا بھی فصلوں پر چھڑکاؤ کیا جاتا ہے لہذا بغیر دھلے کھانے پر مختلف قسم کے طاقتور جراثیم آدمی کو مہلک بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، جیسے یرقان، مختلف نوعیت کے

بخار اور دیگر بیماریاں۔

”سورة البقرة“ میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ حلال اور پاکیزہ شے کھانے سے پہلے اللہ کو بھی شامل کرو، یعنی بسم اللہ پڑھو، ورنہ اگر درمیان میں یاد آجائے تو بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھو تا کہ شیطان تمہاری بھوک پیاس سے دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا کردہ ہیں اور انہیں اللہ ہی کے نام سے کھانا چاہیے، یعنی روحانی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ جسمانی پاکیزگی بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔

کھانے پینے کے برتنوں اور ہاتھوں کی صفائی: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تشریف لے گئے تو خاتون خانہ نے امیر المؤمنین کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہا۔ اس عورت نے دیگچی چولہے پر رکھی اور پھونکوں سے آگ تیز کرے لگی۔ دھواں اس کی آنکھوں اور حلق میں بھر گیا۔ دھواں اس قدر بڑھا کہ امیر المؤمنین کی داڑھی مبارک سے گزرنے لگا تو آپ نے کھانتے ہوئے فرمایا کہ اے بی بی! کم سے کم ان برتنوں اور اس جگہ کو صاف کرلو۔ اس واقعے سے یہ پتا چلتا ہے کہ کھانا پکانے کے برتن ستھرے ہونے چاہئیں اور انہیں باورچی خانے میں چھوڑ دینے سے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض ان برتنوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور بچی کھچی غذا کو بھی زہر یلا کر دیتے ہیں لہذا غذا کی غذائیت اسی صورت میں ممکن ہے کہ بچی ہوئی غذا کو کسی چھوٹے صاف ستھرے برتن میں رکھ کر اسے ڈھانپ کر رکھا جائے اور استعمال شدہ برتن فوری طور پر دھو لیے جائیں۔ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھوں کو ضرور دھونا چاہیے۔

ماحول کی صفائی ستھرائی: غذا جس جگہ تیار کی جا رہی ہے یعنی گھر یا باورچی خانہ، اس جگہ کو صاف ستھرا ہونا چاہیے اور کیڑے مکوڑوں سے پاک ہونا چاہیے، اگر باورچی خانہ میں نکاسی کا انتظام بھی ہے تو گٹر کے دہانے پر مضبوط جالی رکھنی چاہیے تاکہ کیڑے مکوڑے مثلاً لال بیگ اور چوہے باورچی خانے میں آکر کھانے پینے کی اشیاء کو ”سم آلود“ نہ کر سکیں اور نہ ہی اجناس کی بور یوں میں یا کھانے پینے کی چیزوں میں منہ دے سکیں۔ ماحول کی صفائی اتنی

ہی ضروری ہے جتنی کہ انسان کی جسمانی اور روحانی صفائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت پر جو غذا جائز اور حلال قرار دی ہے اس کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ وہ حلال ہو، اللہ کے نام کے ساتھ ہو اور طبعی طور پر مرغوب بھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی کھانے کو کبھی برائے کہتے، پسند نہ آتا تو تھوڑا کھاتے اور اگر کھانا پسندیدہ ہوتا تو کئی مرتبہ اللہ کا شکر ادا کیا کرتے، مثلاً ایک غذا ”ثرید“ جو گوشت کے شوربے میں پکی ہوئی روٹی ڈال کر تیار کی جاتی ہے، جو عربوں کا پسندیدہ کھانا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت مرغوب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں ثرید رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے۔

”سورة البقرة“ میں ارشاد ہوتا ہے: ”اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے“۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کے کھانے پینے کے لیے رزق حلال، صاف ستھرا اور طیب کھانا جائز قرار دیا ہے تاکہ ایمان کے تقاضوں کے تحت مومن اس غذا کی غذائیت کو جزو بدن بنا سکے۔

ماں کا دودھ نو مولود بچوں کے لیے ایک بہترین غذا: قدرت کا یہ اصول ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی ماں کے دودھ اُتر آتا ہے جو نو مولود کے لیے بہترین غذا ہے۔ سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق ماں کے دودھ میں جتنی غذائیت ہے، اتنی ہی غذائیت بچے کے لیے اس کی صحت کی بقاء کی ضامن ہے۔ ماں کا دودھ بچے کی نشوونما کے لیے بہترین ٹانک بھی ہے اور ماں کی آغوش بچے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں عورت کو چاہیے کہ وہ بچے کو دودھ پلاتے وقت اپنی جسمانی صفائی کا بھرپور خیال رکھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلاتیں تو پہلے وضو فرماتیں اور پھر اللہ کا نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کی غذا جو ماں کے ذریعے مقرر کی ہے، اس میں بڑی حکمت اور عقل مندوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔



اللہ پر توکل اور اُس کے تقاضے

رب کی ذات پر بھروسہ اور اسی سے سب کچھ ہونے کا یقین ایمان کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں اپنی اوٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کروں تو میرا یہ عمل کیسا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اوٹنی کو باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔“ حدیث شریف کا مضمون واضح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ اوٹنی کو باندھو اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، یعنی جو معروف اسباب ہیں، انہیں اختیار کرنا چاہیے اور ان اسباب کے اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے توکل کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ آدمی کو ضروری اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہ زمین کو نرم کرے، بیج ڈال کر زمین کو حاجت کے مطابق پانی دیتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ وہ بیج کے ان دانوں سے سیکڑوں، بلکہ ہزار ہا دانے پیدا کر کے انہیں لہلاتے کھیت میں تبدیل کر دے گا۔ بندہ حفاظت کے ذرائع اختیار کرے، زرہ پہنے، بلکہ ایک کے بجائے دو پہنے، ضرورت کے مطابق ہتھیاروں سے لیس ہو اور اپنی طرف سے تدبیر اختیار کر کے پھر اللہ پر بھروسہ رکھے کہ وہ میدانِ جہاد میں فتح دینے والا ہے۔ بیماری کے زمانے میں مناسب دوا لے لے، جتنا پرہیز ضروری ہے، اسے اختیار کرے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ وہی شفا دینے والا ہے۔

حفاظت کے معروف ذرائع مناسب حد تک استعمال کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے کام میں لگ جائے، یہی اعتدال اور خیر کا راستہ ہے، اسی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور مبارک زندگی میں خود بھی اس پر عمل فرمایا ہے، حدیث شریف میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے صحابی کو اوٹنی کھلی چھوڑ دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ اوٹنی باندھو اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ دنیا

دارالاسباب ہے۔ یہاں کام ہوتا ہے اور اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں بہ عافیت پہنچا دے تو وہاں اسباب اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، جو آپ چاہیں گے، ہو جائے گا، جو خواہش کریں گے وہ فوراً پوری ہو جائے گی، مگر اس دنیا میں نہ تو خواہش پوری ہوتی ہے اور نہ صرف خواہش کر لینا کافی ہوتا ہے بلکہ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کام کے لیے مناسب اسباب بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں، خالی تمناؤں سے، صرف خواہشات سے نری اُمیدوں سے کام ہونا مشکل ہے۔ البتہ کام کرنے کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ آدمی اس بات پر ایمان رکھے کہ ان اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے ان اسباب میں یہ تاثیر رکھی ہے اور اسی کے حکم سے یہ موثر ہوتے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ان اسباب کو اختیار کر رہا ہوں مگر اس کی نظر رحمت کا امیدوار ہوں، وہ اپنے فضل سے اس کا شمر عطا فرمادے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھے۔ اسی سے دعا مانگے اور اسی کی ذاتِ برحق سے خیر کی امید رکھے۔ پھر دنیا میں جو اسباب اختیار کیے جاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

اسبابِ دینیہ:

یعنی دینی اسباب، جو آخرت درست کرنے اور جنت تک پہنچانے والے ہیں، ان سے فلاح دارین نصیب ہوتی ہے۔ یہ دینی اسباب جس درجے کے ہوں، اس درجے کے مطابق انہیں اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ان میں سے بعض فرض ہیں، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب۔ نیز ان اسباب میں سے بعض کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، بعض کا تعلق حقوق العباد سے اور ان سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے وقت میں اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ہر مسلمان کی عقل اور طبعی خواہش ہے کہ وہ بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کی مغفرت فرمادے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کی اُمید بھی رکھنی لازم ہے کہ ان شاء اللہ معافی ہو جائے گی کیونکہ وہ معاف کرنے والا ہے، غفور و

رحیم ہے لیکن ان سب اچھی خواہشات اور اچھی امیدوں کے ساتھ اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق جنت میں لے جانے والے اعمال اختیار کرنا بھی لازم ہیں، جس حد تک ممکن ہو، فرض نماز، فرض روزہ، فرض زکوٰۃ، حج۔ حقوق کی ادائیگی، حرام خوری سے بچنا، چوری، ڈاکہ، ظلم، زنا سے دور رہنا وغیرہ، ورنہ اگر کوئی شخص حرام خوری، چوری، ڈاکہ، ظلم و تشدد کا عادی ہو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذکر اللہ، صبر و شکر کا اس کے یہاں نام نہ ہو اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہے کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، وہ معاف فرما دے گا، تو سننے والا یہی کہے گا کہ تمہاری بات برحق ہے، بلاشبہ، اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، معاف فرمانے والا ہے لیکن اس غفور و رحیم پروردگار نے سچی توبہ کا بھی تو حکم دیا ہے، ظلم و تشدد اور حرام خوری کو چھوڑنے اور صبر و شکر، نماز، روزہ، زکوٰۃ کا حکم بھی تو دیا ہے، مغفرت اور رحمت کے یہ اسباب اختیار کرو، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مغفرت اور جنت کی اُمید رکھو کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں محض تمناؤں اور خواہشات سے کام نہیں چلتا، کچھ کرنا بھی پڑتا ہے۔

دنیوی اسباب:

کچھ یہی حال دنیوی اسباب کا ہے، اللہ جل شانہ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، کچھ اسباب کو اختیار کرنے کا قطعی حکم دیا ہے اور کچھ دنیوی اسباب کے اختیار کرنے کی تاکید کی ہے بلکہ ان میں سے کئی کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، اگر کوئی شخص اللہ کے بنائے ہوئے ان اسباب کو اختیار نہ کرے اور نتائج کی امید رکھے تو اسے صرف خواہش کہا جاسکتا ہے اور صرف خواہشات سے دنیا کا کام بھی نہیں چلتا، اس کے لیے بھی حرکت اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی شخص کو بھوک لگی ہو، کھانا کھائے بغیر وہ یہ تمنا کرے کہ میرا پیٹ خود بخود بھر جائے، زمین میں ہل چلائے، بیج ڈالے، پانی دیے بغیر یہ خواہش رکھے کہ اپنے وقت پر بلکہ کل صبح ہی اہلہا تا کھیت تیار ہو جائے۔ جہاد کی مناسب تیاری اور ضروری اسباب اختیار کیے بغیر یہ تمنا رکھے کہ دشمن کی توپوں اور میزائلوں میں کیڑے پڑ جائیں۔ نکاح کیے بغیر کوئی آدمی یہ تمنا کرے کہ مجھے اولاد مل جائے، تو یہ سب کام اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں اور وہ

چاہے تو سب کام اسی طرح ہو بھی سکتے ہیں جس طرح وہ تمنا کر رہا ہے لیکن عام طور سے ایسا نہیں ہوتا، اگر دس لاکھ مرتبہ میں ایک مرتبہ ایسا ہو جائے تو وہ کرامت یا استدرج کہلائے گا، جس کا منجانب اللہ کوئی وعدہ کسی سے نہیں ہے، ورنہ نو لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے مرتبہ ایسا نہیں ہوا، اب اگر کوئی شخص نو لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے مرتبہ کی عادت اللہ اور فطرۃ اللہ کو چھوڑ کر دس لاکھ میں سے ایک کی خواہش کرے تو اس کی حالت پر رحم ہی کھایا جاسکتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ”احیاء علوم الدین“ میں توکل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اسباب کا پہلا درجہ یقینی اسباب کا ہے اور یہ وہ اسباب ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے مطابق نتائج مرتب ہوتے ہیں اور عام طور پر اس کے خلاف نہیں ہوا کرتا، اگر کھانا تمہارے سامنے رکھا ہوا ہو، تم بھوکے بھی ہو اور محتاج بھی لیکن تم اپنا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھاؤ اور یہ کہو کہ میں تو متوکل ہوں اور توکل کی شرط قرار دو کہ کوشش نہیں کروں گا، نہ ہاتھ بڑھاؤں گا، نہ دانتوں سے چباؤں گا اور نہ جبروں کو ہلا کر اسے حلق سے نیچے اتاروں گا، تو ایسی سوچ محض جنون ہے، اس کا توکل سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر اس کے منتظر ہو کہ روٹی کھائے بغیر تمہارا پیٹ بھر جایا کرے یا روٹی خود بخود حرکت کر کے تم تک چلی آئے یا اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو تمہارے لیے مسخر کر دے اور وہ فرشتہ تمہاری طرف سے روٹی چبا کر تمہارے معدے تک پہنچا دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ”سۃ اللہ“ کا کچھ پتا نہیں۔ اسی طرح اگر تم زمین میں کاشت نہ کرو اور یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ بغیر بیج کے کھیت تیار فرما دے تو سب زاپا گل پن ہے۔ (احیاء العلوم)

توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اسباب و وسائل استطاعت کے مطابق حاصل اور جمع کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توکل کی یہی تفسیر منقول ہے، بالکل ترک اسباب کا نام توکل رکھنا جہالت ہے۔



روزِ حشر جزا و سزا کا تصور اور آسان حساب کی نوید

آخرت میں جزا اور سزا کا تصور بندے کو نیک اعمال پر آمادہ کرتا، گناہ اور بد اعمالیوں سے روکتا ہے۔

قرآن کریم میں روزِ قیامت کی ہولناکی، اس دن کی سختی اور جزا و سزا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اس کی تعمیل کرے) اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور پھر بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا، اس نے سمجھا تھا کہ اسے کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے۔ پلٹنا کیسے نہ تھا، اس کا رب اس کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔ (سورۃ الانشقاق)

حشر کے میدان میں جہاں اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کسی کا سایہ نہ ہوگا اور جہاں اس سایہ رحمت میں اللہ تعالیٰ کے مقربین، صالحین، شہداء، متقین، نیک بندوں پر ابر کا سایہ ہوگا، وہیں ایک حساب یسیر والے بھی اسی سائے میں ہوں گے، قیامت کے روز مومن اور کافر دو علیحدہ علیحدہ فریق ہوں گے اور دونوں علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوں گے، اس دن مومن کے سوا کسی کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا، جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے بہت آسان حساب لے کر اسے جنت کی بشارت دے دی جائے گی، یعنی یہ حساب اسی قدر ہوگا کہ اسے نامہ اعمال دکھا دیا جائے گا اور کچھ تحقیق و تفتیش

نہیں ہوگی۔

بعض مفسرین کے نزدیک ”حساب یسیر“ یعنی آسان حساب یہ ہے کہ مومن بندے کی برائیاں اس پر پیش کی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔ پھر وہ خوشی خوشی جنت میں اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ کر چلا جائے گا یا حشر میں جنتی لوگوں سے مل جائے گا، وہ اس قدر مسرور ہوگا کہ خوشی کے مارے کہے گا۔ ”میرا اعمال نامہ پڑھو، کیسا عمدہ ہے۔“ (سورۃ الحاقہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھلی امتوں میں سے ایک شخص کے پاس فرشتہ روح قبض کرنے آیا، پھر مرنے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے کوئی بھلائی کا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے سوا مجھے اپنا کوئی نیک عمل معلوم نہیں کہ میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا تو حسن سلوک سے کام لیتا تھا، کوئی کشادہ حال ہوتا تو اسے مہلت دے دیتا اور کوئی تنگ دست ہوتا تو اسے بالکل ہی معاف کر دیتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جس آدمی کا حساب ہو گیا، وہ عذاب میں ڈال دیا گیا۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا، کیا اللہ عز و جل نے نہیں فرمایا ”تو اس سے حساب نہیں لیں گے مگر آسان حساب“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حساب نہیں ہے بلکہ صرف پیشی ہے۔ قیامت کے دن جس سے حساب مانگ لیا گیا وہ عذاب میں ڈال دیا گیا۔

ایک بزرگ نے آسان حساب کو اس انداز میں فرمایا کہ پروردگار اپنے بندے کے نامہ اعمال پر ایک نظر کرم فرمائے گا اور کہے گا: جا اپنے رب کی جنتوں میں جہاں تیرے رشتے دار (جنتی) تیرا انتظار کر رہے ہیں۔

”سورۃ البقرہ“ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں اور

جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جس کو چاہے بخشے گا اور جسے چاہے گاعذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے۔

اللَّهُمَّ حَاسِبُنِي حِسَابًا يَسِيرًا.

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آسان حساب کیا ہے؟ فرمایا: نامہ اعمال پر نظر ڈالی جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ تم سے درگزر کیا لیکن اے عائشہ! جس سے اللہ حساب لینے پر آئے گا، وہ ہلاک ہوگا۔ (مسند احمد)

غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا، وہ اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہی نجات پائے گا اور اپنے گھر والوں کی طرف خوشی خوشی جنت میں واپس آئے گا۔

”طبرانی“ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ جو اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے، بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ رنجیدہ، افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائے گا، وہ نقصان اور گھاٹے کی پکار پکارے گا، ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا، حالانکہ وہ دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا، بے فکری سے مزے کر رہا تھا، اب اسے غم و رنج، یاس و محرومی و رنجیدگی اور افسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا، یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں، اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر اللہ کے پاس بھی جانا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہاں، ہاں، اسے اللہ ضرور دوبارہ زندہ کرے گا، جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا، پھر اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دے گا، بندوں کے اعمال و احوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ قرآن پاک قیامت کی ہولناکیوں اور خوش خبریوں کے

ذکر سے بھرا پڑا ہے، مومنین اور متقین کے لیے بشارت و انعامات کے وعدے ہیں تو نافرمانوں کے لیے قہر الہی کی وعید بھی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مایوس نہیں کرنا چاہتا اور فرماتا ہے کہ اچھائی کی نیت تو کرو، اللہ کی طرف قدم تو بڑھاؤ، اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر فلاح کا راستہ تو اپناؤ، پھر فرمایا کہ اے انسان! تو دنیا میں کوشش کرتا رہتا ہے اور اچھے یا برے اعمال کر کے اپنے رب کی طرف بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک ایک دن اس سے مل جائے گا اور حساب و کتاب کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال و سعی و کوشش کو اپنے آگے دکھ لے گا۔ فرمایا کہ بندے تو احکام بجالائیں، میں اپنا حکم صادر کروں گا کہ لے جاؤ، میرے اس بندے کو جنت کی وسعتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ آؤ۔ جہاں سے اسے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا، یہی انعام ہے متقین کا۔ اللہ تو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ (سورۃ البقرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی جا رہی ہے کہ اے نبی! میری طرف سے لوگوں سے کہہ دیجیے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ الزمر)۔

جہاں قرآن پاک کی سورت میں جنت کی نوید اور پیش گوئیاں سنائی گئی ہیں، وہیں اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے روزِ محشر کی تیاری کی تعلیم دی، فرمایا گیا: اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ وہ دن ہے جس میں دنیا کے اعمال اور واقعات کے فیصلے ہوں گے۔ اس دنیا میں جس نے جو کمایا ہوگا، اس کی جزا و سزا ہوگی اور اس دن کو ”یوم الموعود“ اس لیے کہا گیا کہ اس کے آنے کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، اس دن حساب کے بعد جزا و سزا ہوگی اور جن لوگوں پہ دنیا میں زیادتی ہوئی یا جنہوں نے کسی پر زیادتی کی اس دن تک اللہ نے انہیں مہلت دی اور یہ ایک عظیم دن ہوگا، جس کا لوگوں کو انتظار ہے تاکہ وہ دیکھیں کہ اس کے اندر کیا فیصلے ہوتے ہیں؟ اس دن ہر چیز پر دے سے باہر آ جائے گی اور ہر کسی کو نظر

آجائے گا۔

ایک موقع پر فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ہے حقیقی نجات اور کامیابی۔

انسان جب اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے چاروں طرف خیر و شر باہم زور آزمائی کرتے نظر آتے ہیں، وہ دیکھتا ہے کہ نیکی اور بدی یا جسے وہ نیکی اور بدی سمجھتا ہے، باہم برسرِ پیکار ہیں، اس معرکے میں شر اُبھرتا اور بدی مات دے دیتی ہے لیکن اس کش مکش میں مومن مایوس نہیں ہوتا، مقابلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے جنت کی اُمید رکھتا ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ہر عمل کے ساتھ یہ دعا زیر لب ہونی چاہیے: اے میرے پروردگار! میرے ساتھ حساب یسیر کا معاملہ فرما۔



معجزات نبوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک روشن دلیل ہر نبی اور رسول خیر و برکات کا سرچشمہ ہوا کرتا ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح دیگر کمالات میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے سبقت لے گئے، برکتوں اور سعادتوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حیرت انگیز معجزات صادر ہوئے جو کسی اور نبی یا رسول سے صادر نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے تھوڑے سے کھانے اور تھوڑے سے پانی کا عظیم لشکروں کی سیری اور سیرابی کے لیے کافی ہو جانا متعدد مرتبہ مشاہدہ کیا گیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزے تھے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے چند نمونے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی عنہ کے مکان پر صرف ایک سیر جو کے آٹے سے کئی سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا گیا۔ (صحیح بخاری)

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر بھی جنہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے اس تھوڑے سے کھانے سے اپنے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ ایک صاع جو (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچے کے گوشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی افراد کو شکم سیر کر دیا۔ (بیہقی)

حدیبیہ کے کنوئیں میں پانی نہیں رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو پانی چشمے کی طرح جوش مارنے لگا، پندرہ سو افراد نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا۔ (صحیح بخاری)

تبوک کے چشمے میں پانی خشک ہو گیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا بچا ہوا

پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمے کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے سیراب ہو کر پیا۔ (صحیح مسلم)

ایک مرتبہ چھوٹے سے پانی کے پیالے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا، جس سے تمام لشکر نے پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ (بخاری و مسلم)

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام اہل صفہ کو بلاؤ، جو ستر اسی صحابہ کرام تھے، سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ پیالے میں اسی طرح باقی رہا۔ (صحیح بخاری)

جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مدعو کیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں، تقریباً تین سو صحابہ سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)



شافع روزِ جزاء، حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”شافع محشر“ کے بلند اعزاز اور منفرد مقام سے نوازا گیا ہے۔

شافع محشر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب ذوالجلال نے جہاں تاج نبوت کے ساتھ بے شمار نبوی خصوصیات و امتیازات سے نوازا، وہیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو شافع روزِ جزاء کے اعلیٰ ترین منصب پر بھی فائز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک عظیم المرتب صحابی حضرت عوف بن مالک اصبحی رضی اللہ عنہ مختلف ذاتی صفات کے اعتبار سے ممتاز صحابہ کرام میں سے ہیں۔ شجاعت و بسالت کے اعتبار سے ایک دلاور صف شکن تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے بھی آسمانِ ہدایت کے نہایت ہی رخشندہ ستارہ تھے۔ متعدد غزوات میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم رہنے کا شرف رکھتے تھے۔ متعدد اسفار کے مواقع پر بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی سعادت سے نوازے گئے۔ وہ ایک مبارک سفر کا ذکر خیر کچھ یوں کرتے ہیں:

ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رات میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ہم میں سے ہر شخص نے اپنے کجاوے پر ٹیک لگالی۔ میری آنکھ رات کے کسی حصے میں کھل گئی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوے کے پاس نہ دیکھا۔ مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں چل پڑا۔ میں نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھی حضور علیہ السلام کی تلاش میں سرگرداں پایا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ ہم نے وادی کے اوپر کی جانب سے اس قسم کی آواز سنی جیسے چکی کے پھرنے کی ہوتی ہے۔ ہم اُس طرف گئے

مریض کی عیادت

ایک دینی اور اخلاقی فریضہ:

مریض کی عیادت کے حوالے سے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ”عیادت کے لیے جاؤ تو مریض کے پاس دیر تک نہ بیٹھا کرو“۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کو یقین ہو کہ میرے زیادہ بیٹھنے سے بیمار کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیادت کا افضل مرتبہ اوٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کے درمیان وقفے کے بقدر ہے اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بہترین عیادت وہ ہے، جس میں عیادت کرنے والا مریض کے پاس جلد اٹھ کھڑا ہو۔

عیادت کی مسنون دعا:

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنا دایہ ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے ”اے لوگوں کے رب! بیماری دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے، آپ ہی شفا دینے والے ہیں، بس آپ کی ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری کو بالکل نہ چھوڑے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی بیمار کی عیادت کرے اور سات مرتبہ یوں کہے ”میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا مالک ہے، دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے تو اللہ اسے شفا دیتا ہے، بشرط یہ ہے کہ اس کی موت کا وقت نہ آگیا ہو۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی مریض کے پاس عیادت کے لیے آئے تو اسے یہ دعائیہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے، تاکہ وہ تیرے دشمن سے مقابلہ کرے یا تیری

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بارگاہ رب العزت میں گریہ و زاری کرتے ہوئے) پایا۔ ہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آج رات میرے رب عزوجل کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور کہا کہ میرے رب نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ یا تو اپنی ساری امت کے لیے شفاعت کرنے کا اختیار لے لیں یا آدھی امت کو جنت میں داخل کروالیں۔ سو میں نے شفاعت کرنے کو پسند کیا“۔ (حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی قسم، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کیا ہے، جن کی آپ صلی اللہ شفاعت کریں گے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک تم سب ان لوگوں میں سے ہو جن کی میں شفاعت کروں گا“۔

اس کے بعد ہم حضور اکرم صلی اللہ کی معیت میں پڑاؤ کی طرف چلے، یہاں تک کہ دوسرے اصحاب کے پاس پہنچ گئے، دیکھا کہ سب کے سب پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور کہا کہ شفاعت میں اور اس بات میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اختیار دیا ہے کہ اپنی امت کا نصف جنت میں داخل کراؤ..... میں نے شفاعت کرنے کو اختیار کر لیا۔“ صحابہ نے عرض کیا: ”ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں، ہمیں بتائیے! کس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ان میں شامل کیا، جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے؟“ پس جب صحابہ کرام نے اس بارے میں بہت اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت امت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اس حالت میں وفات پا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے کچھ شرک نہ کیا ہو۔“

روزِ محشر سایہ گستر ہے جو دامنِ رسول

تابِ دوزخ سے ہیں بے پروا غلامانِ رسول

خوشی و رضا کی خاطر جنازے کی طرف (یعنی نماز جنازہ کے لیے) چلے۔“

عیادت کے لیے مختلف دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو انہیں دعائیں دیتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے جب کہ میں حالت مرض میں مبتلا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یوں دعا فرمائی: ”اللہ تیرے نقصان کو دور کرے، تیرے گناہ معاف فرمائے اور تیرے دین اور جان دونوں کی موت تک عافیت فرمائے۔“

بیماری پرستی کا انداز:

”کنز العمال کی ایک روایت میں ہے، مریض کی عیادت کا کامل طریقہ یہ ہے کہ عیادت کرنے والا اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس سے دریافت کرے کہ تمہارا مزاج کیسا ہے۔“

اس قسم کی ایک اور روایت کنز العمال میں ہے۔ مریض کی تیمارداری کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ اس پر رکھو اور اس سے دریافت کرو، تمہاری صبح کیسی گزری اور شام کیسی گزری؟

مریض سے کیسے بات کی جائے؟:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی عیادت کی اور اس سے فرمایا کہ تمہیں خوش خبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بخار میری آگ ہے، جسے میں اپنے بندے پر اس لیے مسلط کرتا ہوں، تاکہ وہ (بخار) اس کے حق میں قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا بدلہ اور حصہ ہو جائے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اعرابی (قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ) کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ کا معمول تھا کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے: ”کوئی بات نہیں، ان شاء اللہ (گناہوں سے) پاکیزگی ہوگی۔“

مریض سے دعا کی درخواست کرنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے کیوں کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مریض کی عیادت کرو اور اس سے درخواست کیا کرو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ مریض کی دعا بلاشبہ قبول ہوتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مریض کی دعا تندرست ہونے تک لوٹانی نہیں جاتی۔

مریض کے پاس شور و غل کی ممانعت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عیادت کے وقت مریض کے پاس بیٹھنا اور شور و غل نہ کرنا سنت ہے۔

عیادت میں وقفہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد مریض کی عیادت کرتے تھے۔ امام غزالی رحمہ اللہ کا مذہب اس روایت کی بنا پر یہی ہے کہ عیادت تین دن کے بعد کرنی چاہیے مگر جمہور علماء کے نزدیک عیادت کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں پہلے دن کی عیادت کو سنت فرمایا گیا ہے۔ پہلے دن بیمار کی عیادت سنت ہے، اس کے بعد نفل ہے۔

غیر مسلم کی عیادت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف

لے گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے سر کے قریب تشریف فرما ہوئے اور اس سے فرمایا: تم مسلمان ہو جاؤ، لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس کے باپ نے کہا کہ ”ابوالقاسم“ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانو۔ چنانچہ وہ بچہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ حمد وثنا اس پروردگار کی جس نے اسے (اسلام کے ذریعہ) آگ سے نجات دی۔

اس حدیث میں چند امور قابل غور ہیں:

- (۱) معلوم ہوا کہ عیادت کے وقت مریض کے سر ہانے بیٹھنا سنت ہے۔
- (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا، اس کے بارے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، یہ اس بیماری کا واقعہ ہے جس میں وہ مرا ہے۔“ (سنن ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے عیادت کی اہمیت اور اس کے آداب کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، ہمیں چاہیے کہ مریض کی عیادت کے ان زریں اصولوں کو اپنائیں اور اختیار کریں۔

بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ لوگ عیادت کے وقت مریض کے سامنے نامناسب باتیں شروع کر دیتے ہیں، جس سے مریض کی بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً آپ تو بہت کمزور ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے علاج برابر نہیں ہو رہا۔ ڈاکٹر بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے تو فلاں صاحب سے علاج کرایا تھا، فلاں دوا بہتر رہے گی، وغیرہ۔ ان باتوں سے مریض کی دل جوئی کے بجائے دل شکنی ہوتی ہے، حالانکہ حدیث میں آتا ہے، یعنی جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے اچھی باتیں کرو۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ مجھے پیٹ کے درد کی شکایت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں درد شکم ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اٹھو نماز پڑھو کیونکہ نماز میں شفا ہے۔“

عیادت میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ مناسب وقت میں جایا جائے، خصوصاً ہسپتال میں مقررہ اوقات کی پابندی از حد ضروری ہے۔ عموماً لوگ غفلت میں ایسے وقت حاضر ہوتے ہیں کہ کام کرنے والے کو تو تکلیف دیتے ہی ہیں، ساتھ ساتھ مریضوں کے آرام و معالجے میں بھی حرج ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں قرآنی حکم ”اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو، جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ بات تمہیں اس لیے بتائی گئی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو)، یہ حکم پیش نظر رہنا چاہیے۔

اگر عیادت کرنے والے ان آداب کا خیال رکھیں تو اس سے مریض، اہل خانہ، معالجین، ہسپتال کے عملے، سب کو راحت و آرام ملے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان آداب کی رعایت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



مچھر کی حقیقت اور وبائی امراض سے حفاظت

قرآن کریم واحادیث نبوی کی روشنی میں:

ارشادِ ربانی ہے: ”بے شک اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی)۔ (سورۃ البقرہ)

آیت مذکورہ میں رب ذوالجلال نے اپنی ایک نہایت حقیر، بے حیثیت اور بے وقعت مخلوق، مچھر کا بطور مثال ذکر فرمایا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ کم تر اور بے حقیقت چیز کی مثال دے سکتا ہے۔ مکھی، مچھر اور مکڑی کیا، وہ تو ساری کائنات کے ذرے ذرے کا خالق و مالک ہے۔ اس کے نزدیک تو ہر چھوٹی بڑی کم زور اور طاقتور، سب مخلوق یکساں ہیں۔

غور فرمائیے! یہ کلام اللہ جو علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، جس کے الفاظ و کلمات مطالب و مفاد ہم کا بحرِ ذخار ہیں، جس کا ہر لفظ گنجینہ معانی اور علم کا سمندر ہے۔ اس کا کوئی لفظ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، توجہ طلب امر یہ ہے کہ قرآن مچھر کا ذکر کرتا ہے اور اس لیے ”بعوضۃ“ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

آئیے! دیکھتے ہیں کہ ”بعوضۃ“ یعنی مچھر کی حقیقت کیا ہے؟ مولانا عبدالمجید دریا آبادی رقم طراز ہیں: ”مچھر“ ایک معلوم و معروف پر دار کیڑا ہے، جو اپنے کم جثہ ہونے کے باوجود انسان کے لیے موزی بھی ہے، راتوں کو کاٹ کاٹ کر اس کی نیندیں حرام کرنے والا اور بعض صورتوں میں (خطرناک) امراض بھی پیدا کرنے والا، دنیا کے بیش تر حصوں میں پایا جاتا ہے۔ اللہ کی ہر مخلوق کی طرح اس کی بھی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ محققین نے اس کی چودہ سو قسمیں شمار کی ہیں۔ یہ دنیا کے ہر ملک میں پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ قطب شمالی جیسے سرد ترین ملک میں بھی لیکن اس کی کثرت گرم ملکوں میں ہے۔ عربوں میں اس کی بے بساطی اور حقارت ضرب المثل ہے۔ قرآن مجید میں اس کے نزول کے وقت جب حسب

موقع ذکر مکھی، مکڑی وغیرہ کا آنے لگا تو مشرکین نے بھڑک کر کہا کہ بھلا یہ کلام بھی خدا کا ہو سکتا ہے جس میں ایسے ایسے حقیر جانوروں کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید نے اس احتمالہ اعتراض کے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اس میں (ذرا بھی) عار نہیں کہ وہ مثال کے موقع پر مچھر کو پیش کرے یا (بے بساطی میں) اس سے بھی بڑھے ہوئے جانور۔ (حیوانات قرآنی)۔

اس رب قدری کی قدرت اور شان و عظمت ملا خطہ فرمائیے۔ ایک انتہائی ضعیف، کم زور اور بے بضاعت کیڑا جو موسم کا معمولی تغیر اور ہلکی سی ٹھیس برداشت نہیں کر سکتا، وہ اپنے نحیف و نزار جتنے میں ایسا مہلک اور خطرناک سم قاتل لیے پھرتا ہے کہ اگر وہ کسی انسان کو کاٹ لے تو اس کے جسم کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور لحوں میں انسان کی حالت دگرگوں ہو جائے۔ یہ انسان جو بحر و بر، نجوم و کواکب کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے سرگرداں نظر آتا ہے، وہ انسان کم زور پیدا کیا گیا ہے (سورۃ النساء)۔ قرآن حکیم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قوم فرعون کی پیہم نافرمانیوں، سرکشیوں کی پاداش میں ایسے ہی معمولی معمولی جانوروں کے ذریعے عذاب نازل کیے گئے۔ ارشادِ ربانی ہے: ”آخر کار ہم نے اس پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے، جوئیں اور مینڈک پھیلانے اور خون برسایا، یہ سب نشانیاں (آزمائشیں) الگ الگ کر کے دکھائیں مگر وہ سرکشی میں بڑھتے چلے گئے اور بڑے ہی مجرم تھے، جب کبھی ان پر بلا نازل ہو جاتی تو کہتے ”کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے، اگر تم ہم پر سے اس عذاب کو ہٹا دو تو ہم تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے مگر جب ہم ان پر سے اپنا عذاب ایک وقت مقررہ تک کے لیے ہٹا لیتے تو وہ یک لخت اپنے عہد و پیمان سے پھر جاتے، تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا، کیونکہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان (نشانوں) سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔“ (سورۃ الاعراف)

کلام اللہ کی مذکورہ آیات میں قوم فرعون پر نازل ہونے والی ابتلاء و آزمائش کے ضمن میں درج ذیل پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) الطوفان:

عربی میں کثرت سے بارش اور سیلاب جو ہر چیز کو بہا کر لے جائے اور غرق کر دے، طوفان کہتے ہیں، علاوہ ازیں طوفان، ہر شدید اور ملک گیر حادثے کو بھی کہتے ہیں، اس سے آتشیں ژالہ باری، اولوں میں لپٹی ہوئی آگ بھی مراد ہے اور عام طور پر مفسرین اس سے مراد کثرت اموات اور وبائی امراض بھی لیتے ہیں۔

(۲) الجراد:

ٹڈیوں کو کہتے ہیں، ایک معمولی سا جانور ہے مگر ٹڈی دل فصلوں کی تباہی اور ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کو چاٹ کر صاف کر دیا کرتی تھیں۔

(۳) القمل:

عربی میں ”جون“ سرسری، چھوٹی مکھی اور مچھر کو بھی کہتے ہیں، جو انسان کے بالوں، کپڑوں اور جسم میں ہو جاتی ہیں اور شدید ابتلاء اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں، سرسری گھن کا کیڑا، جو غلے میں لگ جاتا ہے اور اس کے پیش تر حصے کو کھا کر ختم کر دیتا ہے۔ سرسری کا عذاب زرعی معیشت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور جب غلے کو ہی گھن لگ جائے تو بھلا کس چیز سے اپنا پیٹ بھرے؟

(۴) الضفادع:

ضفدع کی جمع ہے، عربی میں مینڈک کو کہتے ہیں۔ مینڈک کی کثرت نے قوم فرعون کا کھانا پینا حرام کر دیا تھا۔ مینڈک عموماً پانی، جو ہڑوں اور تالابوں میں ہوتے ہیں۔ یہ مینڈک بھی عذاب کی صورت میں نازل ہوتے تھے۔ قوم فرعون کے کھانوں میں، غلوں میں، بستر وں میں ابلے نظر آتے تھے، جس سے ان کا کھانا پینا حرام ہو گیا تھا۔

(۵) الدم:

عربی زبان میں خون کو کہتے ”دم“ سے مراد پانی کا خون بن جانا ہے۔ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خونیں ہو گیا تھا، پانی پینا ان کے لیے ناممکن تھا اور بعض مفسرین نے اس سے نکسیر پھوٹنے کی بیماری مراد لی ہے، یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا تھا۔ قوم فرعون پر وقفے وقفے سے مذکورہ پانچ عذاب نازل کیے جاتے رہے۔ جب آل فرعون کی بد عملی اور انکار حد سے بڑھ جاتا تو کوئی افتادہ آسمانی ان پر مسلط کر دی جاتی، پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے اور کہتے کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے دے، ہم یقیناً آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کا دیرینہ مطالبہ بھی پورا کریں گے، یعنی بنی اسرائیل کو غلامی سے رہا کر کے آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ آل فرعون جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات اور نشانیاں عطا کی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں لہذا آپ کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر بار ان کے لیے عذاب سے خلاصی کی دعا کرتے اور وہ عذاب ٹل جاتا تو قوم فرعون ایمان لانے کے بجائے کفر و شرک اور انکار حق پر جھے رہتے۔ بار بار عذاب الہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ حد سے تجاوز کرتے رہے تو ان پر اللہ کا عذاب واقع ہو گیا۔ فرعون اپنی قوم اور اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ غرق کر دیا گیا۔ آل فرعون پر نازل ہونے والے عذاب کے ضمن میں کلام اللہ میں ”رجز“ کا لفظ مذکور ہے۔ ”رجز“ عربی میں ”عذاب“، ”بلا“، ”آزمائش“، ”افتاد“، ”بیماری“ اور وبائی امراض کے لیے بھی مستعمل ہے۔ قرآن شہاد ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے مصائب و مشکلات، تکالیف و امراض، شدید جسمانی اذیت و کرب میں بھی اپنے رب ہی کو پکارا..... حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے انہوں نے ”دعا“ اور ”مناجات“ ہی کا سہارا لیا جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ: ”اور یاد

کرو اس وقت کو کہ جب ایوب (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا کہ ”مجھے بیماری لگ گئی اور (اے اللہ!) آپ ارحم الراحمین ہیں“ ہم نے ان کی دعا قبول کی اور جو تکلیف (بیماری) انہیں تھی، اسے دور کر دیا۔“ (سورۃ الانبیاء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کے سامنے برملا یہ اعتراف کیا تھا۔ ”میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز اللہ رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔“ (سورۃ الشعراء)

قرآن مجید میں ایسی ہی مستجاب دعاؤں کا ذکر موجود ہے جو ان مقررین الہی نے اپنے خالق و مالک کے حضور پیش کیں۔ بارگاہ الہی میں ”دعا“، ”فریاد“ اور ”مناجات“ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دعا“ عین عبادت ہے۔ (ابوداؤد و نسائی) اور ایک حدیث مبارکہ میں ”دعا“ کی عظمت و محبوبیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”اللہ کے یہاں کوئی عمل دعا سے زیادہ محبوب نہیں۔“ (جامع ترمذی)۔ ایک موقع پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جس کے لیے ”دعا“ کا دروازہ کھل گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ کو (بندوں کی) دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ وہ اس سے ”عافیت“ کا سوال کریں۔ (جامع ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”دعا“ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب شام یا صبح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا ضرور کرتے تھے: ”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں معافی اور عافیت کا سائل ہوں۔ اے اللہ! میں اپنے دین اور دنیا اور اپنے اہل و عیال اور مال کے بارے میں معافی، عافیت کا طلب گار ہوں، اے اللہ! میری شرم و حیا والی باتوں کی پردہ داری فرما، میرے دل کی گھبراہٹ اور تشویش دور فرما کر مجھے امن و اطمینان نصیب فرما، اے اللہ! میری حفاظت فرما، آگے پیچھے اور میرے دائیں بائیں اور میرے اوپر کی جانب سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ مجھ پر کوئی

آفت آئے، مجھے ہمیشہ اس سے محفوظ رکھ۔ (سنن ابوداؤد)

مذکورہ تصریحات سے واضح ہوا کہ انسانی وجود کی حفاظت، اس کی صحت کی بقاء اسے قدرتی آفات، موذی بیماریوں، مہلک جراثیم، خطرناک وائرس، وبائی امراض، مچھروں، کیڑوں کے کاٹنے سے حفاظت کرنے والا صرف اللہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بس اللہ ہی بہترین حافظ (حفاظت کرنے والا) اور سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربانی کرنے والا ہے۔“ (سورۃ یوسف)



انسانی زندگی پر رزقِ حلال کے اثرات

کسبِ حلال ایک دینی فریضہ ہے، شخصیت کی تعمیر اور کردار سازی میں حلال اور پاکیزہ مال بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نوعِ انسانی دیگر حیوانات کی طرح نہیں کہ اس کا مقصدِ زندگی صرف کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور چلنے، پھرنے تک محدود ہو بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقصد یعنی اپنی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ تمام نوعِ انسانی کا مقصدِ زندگی عبادتِ ربانی اور اللہ کی بندگی ہے، جس کے حصول کے لیے انسان کا جہاں ظاہر کا پاک ہونا ضروری ہے، وہاں باطن کی صفائی اور پاکیزگی بھی اہم چیز ہے۔ یوں نہ ہو کہ ظاہراً تو اپنی جبینِ نیاز کو خدا کے سامنے جھکائیں اور مقصدِ زندگی عبودیت کا اعتراف کریں اور اندر سے باطنِ مالِ حرام کی غلاظت اور حرام غذاؤں سے داغ دار ہو لہذا بندگی کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بھی پاک و صاف رکھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باطن کو پاک و صاف اور حرام سے بچانے کے لیے یہ تعلیم دی: ”اے ایمان والو! تم اس حلال مال سے کھاؤ جو تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ ان شاء اللہ اس حلال کے کھانے سے تمہارا باطن پاک ہوگا اور اس کے انوار و برکات کھلی آنکھوں نظر آئیں گے چنانچہ علماء نے قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کی روشنی میں رزقِ حلال کی برکات کو بیان کیا ہے۔ رزقِ حلال سے انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور برے اخلاق یعنی بغض، کینہ، حسد، ناشکری، تکبر و دل سے نکل جاتے ہیں۔

رزقِ حلال سے انسان برے کاموں مثلاً جھوٹ، غیبت، بہتان، الزام تراشی، زنا، غلط کاری وغیرہ سے دل کی گہرائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے جس سے اللہ رفعتیں اور ترقیات نصیب فرماتا ہے۔

رزقِ حلال سے انسان کو نیک کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے، فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے پر رزقِ حلال کی وجہ سے اس قدر انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی، میں نے خیال کیا کہ جتنا ہو سکے، اس حلال کمائی سے کھالوں، چاہے بعد میں سات دن بھوکا رہنا پڑے۔ چنانچہ میں نے کئی دن کا کھانا ایک ہی وقت میں کھالیا، جس سے دو برکتیں حاصل ہوئیں، ایک علمی دوسری عملی، علمی برکت تو یہ حاصل ہوئی کہ پوری رات چار پائی پر لیٹا رہا اور قرآنِ پاک کی صرف ایک آیت سے سو مسائل کا استخراج کیا۔ عملی برکت یہ ہوئی کہ عشاء کے وضو سے تہجد کی نماز پڑھی اور اسی وضو سے فجر کی نماز بھی پڑھی۔

رزقِ حلال کی برکت سے دل میں نور اور معرفت حق پیدا ہوتی ہے۔ ☆ حلال آمدنی کی برکت سے عبادت میں دل لگتا ہے، ورنہ عبادت کی لذت کا لطف حاصل نہیں ہوتا بلکہ دل عبادت سے نفرت کرتا ہے۔ ☆ رزقِ حلال کی وجہ سے گناہ کی طرف دل متوجہ نہیں ہوتا۔ ☆ اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ☆ والدین اور بیوی، بچوں پر اچھا اثر پڑتا ہے، اولاد نیک، فرماں بردار، عبادت و خدمت گزار پیدا ہوتی ہے۔ ☆ رزقِ حلال کی برکت سے جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور جہنم کی آگ سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ ☆ اس کی برکت سے کمائی میں خوب اضافہ و ترقی اور برکت اللہ تعالیٰ کی جانب سے کی جاتی ہے۔

حرام مال کی نحوستیں:

رزقِ حرام سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ ☆ اس سے علمی و عملی بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ ☆ رزقِ حرام سے دل معرفتِ الہی اور وحی کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ☆ عبادت میں دل نہیں لگتا۔ ☆ دل گناہوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ☆ کاروبار میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ ☆ دعا قبول نہیں ہوتی۔ مسلم شریف کی طویل حدیث میں ہے: ”جس شخص کا کھانا، پینا اور پہننا حرام ہو، اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے؟ رزقِ حرام سے اولاد متکبر اور نافرمان ہوتی ہے۔ ☆ رزقِ حرام سے جنت کے داخلے سے محروم کر دیا جائے

گا۔ ☆ اس سے نیک لوگوں کی دعا سے اس کا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔

نا جائز ذرائع آمدن پر وعیدیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ معراج کو میں نے ایک جماعت کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانوں کے برابر تھے، جنہیں وہ اٹھانہیں سکتے تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ، کچھو جو گدھے کے برابر تھے، پھر رہے تھے اور وہ ان کے ڈنگ اور کاٹنے کی وجہ سے چیختے چلاتے تھے، مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پوچھا گیا یہ کس جرم کی سزا ہے؟ فرمایا کہ یہ آپ کی اُمت کے سود خور لوگ ہیں۔ (مشکوٰۃ) ☆ سود کا ایک درہم جان بوجھ کر کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے شدید

ہے۔ (مشکوٰۃ) ☆

ملاوٹ کی نحوست:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ملاوٹ کی (دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے) وہ ہماری امت میں سے نہیں۔ (ترمذی)

رشوت کی نحوست:

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رشوت دینے اور رشوت کا مال لینے والا دونوں جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ (مشکوٰۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مقصدِ حیاتِ عبدیت کو سامنے رکھتے ہوئے، اپنی جان پر ترس کھائیں، مذکورہ بالا قرآن و حدیث کی تعلیمات پر غور کریں اور خود کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچائیں۔ رزقِ حرام سے مکمل اجتناب اور رزقِ حلال کا التزام رکھیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وسوسہ بندے کو اللہ سے دور رکھنے کا ایک شیطانی عمل

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان ہی انسان کے دل میں وسوسہ نہیں ڈالتا، انسان کا اپنا نفس بھی وسوسے میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کا سبب انسان کے کسب و اختیار سے ہے، چنانچہ انسان کا دل جس قدر خواہشات اور دنیوی لذتوں کی محبت میں گرفتار ہوگا، اسی قدر وہ وسوسوں میں زیادہ مبتلا ہوگا۔ جب دل کہیں اور اٹکا ہوا ہو، خواہشات میں گرفتار ہو تو نماز میں دل کیا خاک لگے گا؟ دل دنیا کی محبت سے جس قدر فارغ ہوگا، نماز میں اسی قدر زیادہ لگے گا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتہ رحمت اس گھر میں نہیں آتا جس میں تصویریں آویزاں ہوں تو بھلا اس دل میں اللہ اپنی محبت کس طرح ڈالے گا جو صنم خانہ بنا ہوا ہو۔ حدیثِ پاک میں جو ”شر نفس“ سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، اس شر کی ایک صورت دنیوی خواہشات سے محبت بھی ہے جس میں گرفتار ہو کر انسان اپنے محبوبِ حقیقی سے دور ہو جاتا ہے، اگر اس قسم کے وسوسے پریشان کریں تو اپنے دل کو سمجھائیں کہ ان پریشانیوں اور مسائل کا حل تو نماز سے فارغ ہو کر ہی ممکن ہے لہذا ان سوچوں سے کیا فائدہ؟ نیز یہ بھی خیال کریں کہ رب ذوالجلال کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا کے لیے فکر مند رہنا، اس سے بڑی بے مروتی اور کیا ہوگی؟ یوں ان وسوسوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی توجہ نماز کی طرف رکھنی چاہیے۔ یہ وسوسے ایک بار نہیں بار بار آئیں گے اس لیے کہ وسوسے میں تکرار کے معنی پائے جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وسوسہ شیطان کی حیثیت چور یا ڈاکو کی طرح ہے۔ مسافر منزلِ مقصود تک جانا چاہتا ہے مگر چور یا ڈاکو راستہ روک لیتا ہے۔ جب بندہ مومن اپنے پروردگار سے راز و نیاز میں مصروف ہوتا ہے اور نماز میں اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو شیطان اس کا راستہ روک لیتا ہے۔ اس کی توجہ اس کے محبوب سے پھیر دیتا

پانی کا بے جا اسراف اور اسلامی تعلیمات

یہ قدرت کا ایک عظیم عطیہ اور انمول تحفہ ہے

ارشادِ ربانی ہے: ”اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں (مصرفوں) کو پسند نہیں کرتا۔“ ہوا کے بعد زندگی پانی سے مشروط ہے، اسی لیے قدرت کے کارخانے میں ہوا اور پانی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں لیکن جس طرح ہوا میں آکسیجن زندگی کے لیے ناگزیر ہے اسی طرح کرۂ ارض پر موجود پانی میں سے ”میٹھا پانی“ زندگی اور بطور خاص انسانی زندگی کے لیے لازمی جزو ہے۔ بظاہر یہ امر عام آدمی کے لیے اطمینان کا باعث ہے کہ کرۂ ارض کا ایک چوتھائی حصہ خشکی اور تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے لیکن کرۂ ارض پر ”زندگی“ کی بقا کے لیے درکار صاف اور میٹھا پانی اس تہائی پانی کا صرف تین فیصد ہوتا ہے، جس میں سے صرف ایک فیصد دریائوں، جھیلوں، کنوؤں، چشموں اور آبشاروں کی صورت میں دستیاب ہے جبکہ باقی دو فیصد برف اور بڑے گلیشئرز پر مشتمل ہے جس کا حصول دشوار اور کثیر اخراجات کا متقاضی ہے، پانی کے حوالے سے یہ صورت حال تمام انسانوں کے لیے بلا تفریق رنگ و نسل لمحہ فکریہ ہے۔ دنیا پر بڑھتی ہوئی آبادی کے دباؤ اور صنعتی ممالک کی جانب سے قوانین فطرت کی خلاف ورزیوں سے بڑھتی ہوئی آلودگی کی وجہ سے جہاں اس وقت کرۂ ارض کو شدید موسمی تغیرات و ماحولیاتی تبدیلیوں کا سامنا ہے، وہیں بڑھتے ہوئے درجہ حرارت ”گلوبل وارمنگ“ کی وجہ سے مختلف النوع مسائل جنم لے رہے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین نے جو تحفظ حیات کے حوالے سے ایک عرصے سے کام کر رہے ہیں، بقائے حیات کے لیے موجود میٹھے اور صاف پانی کے ذخائر میں تشویش ناک حد تک کمی کو نوٹ کیا ہے بلکہ مستقبل کی ضروریات کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بیشتر ترقی یافتہ ممالک نے ماہرین کی زیر نگرانی ”زندگی“ کی اہم بنیادی ضرورت میٹھے اور صاف ”پانی“ کے ذخائر میں اضافے، ان کے تحفظ اور نئے ذرائع کی تلاش کے لیے اربوں ڈالر

ہے۔ بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھے اور شیطان سے الجھنے اور اس کے پیچھے پڑنے کی کوشش نہ کرے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھے اور اللہ کی پناہ میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو ہمارے بارے میں کوشش کرتا ہے، ہم اسے اپنے راستے کی ہدایت عطا کرتے ہیں لہذا ہمیں وسوسوں اور سوچوں کے پیچھے پڑنے کی بجائے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو کوشش کرتا ہے وہ منزل مراد پالیتا ہے، اگر منزل نہ بھی ملے تو کوشش کا اجر اُسے ضرور ملے گا۔ مقابلہ بلاشبہ بڑا کٹھن اور دشوار ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، مکمل ناسہی، کچھ نہ کچھ حصہ تو ان شاء اللہ ضرور مل ہی جائے گا۔



لاگت کے حامل تحقیقی و ترقیاتی منصوبوں پر کام شروع کر رکھا ہے۔

ہماری ایک بڑی اکثریت تعلیم سے محروم ہونے کے سبب دنیا میں ہونے والے موسمی تغیرات و تبدیلیوں سے آگاہ ہے اور نہ گلوبل وارمنگ جیسی اصطلاح سے آشنا۔

ہم اپنے گرد و پیش کے روزمرہ معمولات پر نظر ڈالیں تو کہیں نلکے سے پائپ لگا کر گھروں کے در و دیوار کو گھنٹوں دھویا جا رہا ہے تو کہیں سیکڑوں گیلن میٹھا پانی ہم اپنی گاڑیوں کو دھونے دھلانے میں ضائع کر رہے ہیں یا پھر اپنے وسیع و عریض لان میں سبزہ سینچنے کے لیے پائپ کے ذریعے پانی لگا کر بھول جاتے ہیں۔ بحیثیت انسان اور مسلمان ہمیں اس امر کا احساس ہونا چاہیے کہ صاف اور میٹھا پانی ہی زندگی کا دوسرا نام ہے کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ کچھ کھائے بغیر انسان کئی روز تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر اسے پینے کا صاف اور میٹھا پانی میسر نہ ہو تو وہ موت کی وادی میں پہنچ جاتا ہے، ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ پانی کا ضیاع روکیں۔

بحیثیت مسلمان ہمیں یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ ہمارا رب ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کا استعمال کیسے کرتے ہیں؟ اس کی واضح مثال اللہ تعالیٰ کے وہ احکام قرآنی ہیں جس میں خالق کائنات نے بارہا نشاندہی کی ہے، جو کچھ یوں ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ الاعراف میں ہے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ”فضولیات میں اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں“، جبکہ سورۃ الانبیاء میں ہے: ”جن نعمتوں میں تم عیش کرتے ہو، تم سے اس بارے میں (باز پرس) پوچھا جائے گا۔ مندرجہ بالا آیات ربانی اس امر کی جانب نشاندہی کرتی ہیں کہ پانی بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہے اور اس کا بے دریغ استعمال اور اس میں عدم اعتدال اسراف بے جا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نہ صرف حساب لے گا بلکہ اس کے اسراف پر سزا بھی دے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق کسی نہر پر بیٹھ کر وضو کرنے والا

بھی اگر پانی کا اسراف کرتا ہے تو اس سے اس بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ قبل اس کے کہ کیا وقت ہاتھ نہ آئے اور ہم صاف اور میٹھے پانی جیسی اہم نعمت سے محروم ہو جائیں، ہمیں بحیثیت مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے پانی کے بے دریغ اور ناجائز استعمال کی روک تھام کرنی چاہیے۔ پانی کا استعمال جہاں دیگر مقامات پر غیر محتاط انداز میں نظر آتا ہے، وہیں بدقسمتی سے مساجد میں وضو خانوں پر بعض افراد نلکھول کر بھول جاتے ہیں کہ پانی مستقل بہہ رہا ہے، یہ بھی اسراف ہے۔

پانی کی اس بے قدری کا خاتمہ کرتے ہوئے آئیے ہم اس بات کا عہد کریں کہ اپنے روزمرہ معمولات میں خواہ گھر پر ہوں یا دفتر میں، مسجد میں ہوں یا کارخانے میں پانی کو کفایت سے خود بھی استعمال کریں گے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں گے۔ وضو کرنا ہو تو نلکا کھول کر پانی کو بھاری مقدار میں ضائع کرنے کے بجائے احتیاط سے کام لیا جائے۔ نہاتے ہوئے شاور کھول کر پانی بہانا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک بالٹی پانی سے با آسانی نہانے کے عمل سے گزرنا جاسکتا ہے۔ ہمارا دین کسی بھی صورت پانی کے استعمال میں لاپرواہی اور اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔

آئیے! ہم ذمہ دار اور باشعور شہری ہونے کا ثبوت دیں خود بھی پانی بچائیں اور دوسروں کو بھی پانی ضائع نہ کرنے کی ترغیب دیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہم اگر انفرادی طور پر پانی کی ذمہ داری کے ساتھ بچت کا اہتمام کریں تو ترقی اور خوشحالی کی رفتار تیز ہو سکتی ہے اور زندگی کو دوام بخشا جاسکتا ہے۔ اس لیے آئیے ہم یک جاں اور متحد ہو کر زندگی کی بقاء کے لیے پانی کے استعمال میں کفایت شعاری اپنائیں تاکہ آئندہ نسل کی زندگی سہل اور محفوظ ہو سکے۔



جذبہ ایثار اور خدمت خلق

اہل ایمان کا امتیازی وصف

اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیش نظر دوسروں کی ضرورت کو اپنی حاجت پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کا تعلق دل اور نیت سے ہے کیونکہ جب کوئی اپنی ضرورت کو پشت ڈال کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرتا ہے تو اس وقت اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور اس کا وہ فعل بارگاہ رب العزت میں بڑا مقبول ہوتا ہے، اس لیے اسلام میں ایثار کی، جسے دوسرے الفاظ میں خدمت خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے، بے پناہ فضیلت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایثار کو اہل مدینہ کا وصف قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو وہاں پہلے سے رہنے والوں نے مہاجرین کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، جس میں جذبہ ایثار قدم قدم پر نمایاں نظر آتا ہے۔ درحقیقت خود ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی ہر لحاظ سے مدد کی، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ان کا ایثار بہت پسند آیا۔

”ایثار“ اہل تقویٰ کا خاصہ ہے کیوں کہ متقین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاص اور جذبہ ایثار کے تحت اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ جذبہ ایثار کا تقاضا ہے کہ اللہ کی راہ میں دوسروں کی تکلیف دور کرنے کے لیے قیمتی سے قیمتی چیز دینے سے دریغ نہ کیا جائے اور دنیا کی اشیاء کی محبت رضائے الہی میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔

ایثار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بڑے جامع انداز میں یوں فرمایا ہے: ”جب تک تم اپنی پیاری چیزوں سے خرچ نہ کرو، بھلائی ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ (سورہ آل عمران)

اس آیت میں جذبہ ایثار کی تعریف بڑے عمدہ طریقے سے بیان کی گئی ہے کہ انسان اس وقت تک اس خاص نیکی یعنی نیکی کے راستے کو حاصل نہیں کر سکتا جس سے اللہ کی خاص

رحمت اور ولایت کا راز حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے اللہ کی راہ میں محبوب اشیاء کا ایثار اور انہیں لوگوں کی حاجات اور ضروریات پر خرچ کرنا۔

ایثار کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی حسب ذیل ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بلاشبہ صدقہ (خیرات) اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا اور بری موت سے بچاتا ہے۔ (ترمذی شریف)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”بیوہ عورتوں اور حاجت مندوں کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اجر و ثواب میں مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔ (مسلم شریف)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بلاشبہ اللہ بے حد سخی ہے۔ سخاوت کو پسند فرماتا اور عمدہ اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا اور نکلے اخلاق کو برا جانتا ہے۔ (بیہقی)
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”اے ابن آدم! تیرے لیے ضرورت سے زائد مال کا خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روکے رکھنا برے نتائج کا حامل ہے۔ (مسلم، ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! تو (مستحقین پر راہِ خدا میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔“ (یعنی تیری آمدنی اور مال و رزق میں فراخی کر دوں گا)۔ (صحیح بخاری)

ارشادِ نبوی ہے: ”جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے خیرات کرنے) سے ہی ہو اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کہہ کر بچو۔“ (بخاری و مسلم)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو رزق تجھے عطا کیا گیا ہے، اسے چھپا کر نہ رکھ اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے، اس میں بخل سے کام نہ لے۔“

وہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یا تو یہ روش اختیار کرنی ہوگی (انفاق فی سبیل اللہ) یا جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔“ (طبرانی، ابن حبان)

ایک موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: ”صدقہ دو“۔ ایک شخص نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے؟“ فرمایا: ”اسے اپنی جان پر خرچ کرو۔“

اس نے عرض کیا: ”میرے پاس ایک اور دینار ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو“ وہ بولے ”میرے پاس ایک اور دینار ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو“۔ انہوں نے عرض کیا: ”میرے پاس ایک اور دینار ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے اپنے خادم پر خرچ کرو“۔ انہوں نے عرض کیا: ”میرے پاس ایک اور دینار ہے۔“ فرمایا گیا: ”اس کی نگاہ تجھے زیادہ ہے۔“ یعنی جہاں اچھا موقع دیکھو وہاں خرچ کرو۔ (سنن ابوداؤد)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا، اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم ہوا۔“ (مسند احمد)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک مرتبہ بیان کیا: ”آپ تعلق کو جوڑتے اور ناتواں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتے اور جو چیز ان کے پاس نہ ہوتی وہ لا کر انہیں دیتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے، مشکل میں حق دار کی مدد فرماتے تھے۔“ (صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ”لشکر مجاہدین کی تیاری کے لیے چندہ دیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مجھے نہایت مسرت ہوئی اس لیے کہ ان دنوں میں کافی مال

دار تھا۔ میں نے دل میں کہا: ”آج میں اس کا خیر میں ابو بکر صدیقؓ پر ضرور سبقت لے جاؤں گا کیونکہ اس سے پہلے میں کبھی بھی ان پر سبق حاصل نہ کر سکا تھا۔“

میں خوشی خوشی اپنے گھر آیا اور اپنے تمام مال کا نصف حصہ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس قدر مال لایا ہوں، اسی قدر اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔“

دریں اثناء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور اس شان سے آئے کہ اپنا تمام مال و متاع اور گھر کا سارا ساز و سامان اٹھا کر لے آئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”ابو بکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آیا ہوں۔“ اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

پروانے کو چراغِ بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ماجرہ سن کر میں کہہ اٹھا: ”ابو بکر صدیقؓ پر میں کسی کا خیر میں ہرگز سبقت حاصل نہیں کر سکتا۔“ (مشکوٰۃ)

ایثار و قربانی کی یہ روایات ہمارے دین کی تعلیمات اور ہماری ملی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے سے غربت کے خاتمے اور اپنے مفلوک الحال بھائیوں کی مدد کے لیے ایثار و قربانی اور خدمتِ خلق کے جذبے کو اپنایا جائے۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ کو فروغ دیا جائے۔



خودکشی دین و دنیا کا ابدی خسارہ

اللہ کی رحمت سے مایوسی، بندگی کے منافی عمل اور اسلامی تعلیمات کے قطعی خلاف کوئی بھی انسان اس دنیا میں آنے کے لیے اپنے ماں باپ، اپنی پیدائش کی جگہ، تاریخ، سن یا وقت کا انتخاب خود نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ان سب چیزوں کا انتخاب فرماتا ہے۔ انسان جب سمجھ دار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے کہ اس کی ماں، اس کا باپ حتیٰ کہ اس کے قریب ترین رشتے دار بہن بھائی، چچا، تایا، دادا، دادی، پھوپھی، نانا، نانی، ماموں، خالہ وغیرہ بلکہ ان سب کی اولادیں سب اس کی پیدائش کے وقت متعین ہو گئے تھے اور پیدا ہونے والے بچے کو ان خونی رشتوں کے اختیار میں کوئی ادنیٰ سا بھی دخل نہیں تھا۔

البتہ بالغ ہونے کے بعد سے لے کر موت تک کی زندگی میں انسان کا اختیار چلتا ہے، وہ بھی جس حد تک چل سکے۔ وہ زندگی کے میدان میں اپنی جگہ بنانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے، تعلیم، کاروبار، ملازمت، گھر، بیوی کا انتخاب بڑی حد تک خود کرتا ہے۔ ایمان اور کفر، نیکی اور برائی کے دونوں راستے اس کے سامنے ہوتے ہیں، وہ ان میں سے اپنے وقت میں اپنے انداز سے نیکی اور برائی کا انتخاب کرتا رہتا ہے۔ کبھی صرف ایک کا، کبھی دوسرے کا، کبھی بدل بدل کر اور کبھی دونوں کو ملا کر، یہی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش ہے کہ وہ کس لمحے میں اپنے حال اور مستقبل قریب اور بعید کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے؟ اسی سے اس کا نامہ اعمال اور ڈیٹا بھرنا رہتا ہے۔

سورۃ الملک میں یہ حقیقت اس طرح ارشاد فرمائی گئی: ”وہ اللہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور وہ غالب ہے بخشنے والا ہے۔“

پیدائش کی طرح موت بھی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں رکھی گئی، عام طور سے کوئی

بھی انسان اپنی موت کی جگہ، موت کے وقت اور تاریخ وغیرہ کا نہ خود انتخاب کرتا ہے، نہ اس کے قریبی لواحقین بلکہ سب ہی اس کی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب موت کا یقینی وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ ملتا نہیں، آخری سانس نکلتے ہی رواں دواں زندگی یک دم ٹھہر جاتی ہے اور آدمی لاش میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

سورۃ المنافقون میں فرمایا: ”ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں سے (جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ موت تم میں سے کسی کے پاس آن کھڑی ہو، پھر وہ کہے گا اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ ہرگز کسی جان کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی پوری خبر رکھتا ہے۔“ انسانی جان کی اس حرمت کے پیش نظر اسلام نے کسی انسانی جان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور اسے زندہ رکھنے کی ہر کوشش کو پوری انسانیت کا احیاء قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جس شخص نے کسی شخص کو بغیر جان کے عوض اور بغیر زمین میں فساد ڈالنے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کیا (جان بچانے کی کوشش کی) اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔ اس لیے قرآن حکیم نے کسی مسلمان کو قتل کرنے کی سزا اتنے سخت الفاظ میں بیان کی ہے کہ ان جیسے الفاظ دوسرے گناہوں کے بارے میں کم ہی استعمال کیے ہیں۔ فرمایا گیا: ”اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو:“

(۱) اس کی سزا جہنم ہے۔ (۲) وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ (۳) اس پر اللہ کا غضب ہوا۔ (۴) اللہ نے اس پر لعنت کی۔ (۵) اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا ہے۔ یہ آیت اگرچہ دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے عموم کے ساتھ یہ الفاظ خودکشی کرنے والے کو بھی شامل ہیں کہ خودکشی

عدل: اسلامی نظام مملکت کا بنیادی ستون

اسلام نے بے لاگ عدل کا نظریہ پیش کر کے معاشرے میں امن و سلامتی اور حق و انصاف کی بالادستی کی یقینی ضمانت فراہم کی، اس کے بغیر ایک مستحکم اور پُر امن معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔

عدل کے حوالے سے ارشادِ ربانی ہے: ”اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔ (سورۃ النساء)“

”عدل“ کے معنی حق دار کو اس کا حق پورا پورا ادا کر دینا ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے، چونکہ یہ وہ وصف ہے جسے اپنانے والی قومیں سر بلندی، سرفرازی سے ہم کنار ہوتی ہیں اور جن معاشروں میں اس گوہر گراں مایہ سے محرومی پائی جاتی ہے، وہ روبہ زوال ہو کر تباہی و بربادی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں عدل و انصاف کے قیام پر بے انتہا زور دیا گیا ہے۔ بہ حیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے احکام اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ پر کما حقہ عمل پیرا ہوں اور جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر فیصلہ کر دیں تو اسے بے چوں و چرا تسلیم کر لیں اور انہی احکام کی روشنی میں اپنے معاشرے میں صحیح معنوں میں عدل و انصاف کو جاری کریں، جیسا کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں مالک کائنات نے اہل ایمان کو تاکید فرمایا کہ جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کیا کرو، یعنی اگر کوئی حکمران ہے یا منصب قضا پر فائز ہے یا پنچایت کا سربراہ ہے، اسی طرح برادری کا بڑا ہو، علیٰ ہذا القیاس، کوئی بھی شخص کسی بھی لحاظ سے انصاف کرنے کی پوزیشن میں ہو تو اسے چاہیے کہ وہ فریقین کے دلائل، حالات و واقعات اور شہادتوں یا اقرار کی صورت میں ٹھیک ٹھیک عدل کرے۔ مظلوم کو اس کا پورا پورا حق دلائے اور ظالم و غاصب

کرنے والے نے ایک مسلمان جان (اپنی جان) کو جان بوجھ کر ہلاک کیا، جب کہ اسے اس کا اختیار نہیں دیا گیا اور قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ ”اور اپنی جانوں کو مت قتل کرو، بے شک اللہ تمہارے اوپر بہت رحم کرنے والا ہے اور جو شخص حد سے گزرتے ہوئے ظلم کرتے ہوئے یہ کام کرے گا تو ہم اسے آگ میں جلائیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔“

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: لفظی معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اس میں بالاتفاق مفسرین خودکشی بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ ایک دوسرے کو ناحق قتل کرے۔ (تفسیر معارف القرآن)

☆ خودکشی کی مذمت اور اس کا عذاب: صحیح بخاری: کتاب الجنائز میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا:

”باب ماجاء فی قاتل النفس“

یعنی ”خودکشی کرنے والے کے بارے میں“ پھر اس باب میں تین حدیثیں نقل فرمائیں۔ حدیث (۱): جس نے اپنے آپ کو دھار دار چیز سے قتل کیا، اسے جہنم کی آگ میں اسی طریقے سے عذاب دیا جائے گا“ حدیث (۲): حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں حضرت جناب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی ہے جسے ہم نہ بھولے ہیں اور نہ یہ امکان ہے کہ حضرت جناب رضی اللہ عنہ نے جھوٹ بولا ہوگا کہ ایک آدمی کو زخم لگا تو اس نے خودکشی کر لی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے مجھ سے جلدی کی، میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ حدیث نمبر (۳): یہ نقل فرمائی: جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے، وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو شخص اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے مارے گا وہ جہنم میں (اسی ہتھیار سے) اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔ (دیکھیں صحیح بخاری، فتح الباری)



کے خلاف قرآن و سنت کی روشنی میں تادیبی کارروائی کرے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ محض حق دار کو اس کا حق دلادینا ہی کافی نہیں، بلکہ اس حق کو غصب یا پامال کرنے والے ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا بھی لازمی ہے تاکہ عدل کے تمام تقاضے پورے ہو سکیں۔ اسی طرح اس آیت مبارکہ میں آگے فرمایا گیا کہ دیکھو یہ معاملہ اللہ کے نزدیک اس قدر حساس ہے کہ اس بارے میں تمہارا مالک تمہیں خوب نصیحت کرتا ہے، تاکہ تمہارے دلوں میں اس حکم کی عظمت راسخ ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے یعنی یہ نہ سمجھنا کہ تم اس دھرتی پر جو کچھ کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر نہیں۔ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ وہ تو سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ تم سرگوشیاں کرو یا دل و دماغ میں کوئی بات سوچو، اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات بھی سنتا ہے اور جو کچھ ظاہری یا درپردہ اعمال کرتے ہو، انہیں بھی وہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔

درحقیقت عدل و انصاف ایسا عالی وصف ہے جو کسی بھی قوم یا معاشرے کو استحکام عطا کرتا اور بقاء کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور انصاف بھی ایسا ہو جو بے لاگ اور سب کے لیے یکساں ہو۔ یہ عدل نہیں کہ اگر کوئی امیر آدمی کوئی جرم کرے تو اسے چھوڑ دیا جائے، جبکہ غریبوں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ اسلامی معاشرے میں ایک عام آدمی سے امیر تک سب احکام شرعیہ کے پابند ہوتے ہیں، جرم کوئی بھی کرے، اسے اس کی سزا مل کر ہی رہی چاہیے، جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے کہ قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم کی ایک معزز عورت نے چوری کی اور اہل قریش نے چاہا کہ یہ عورت چونکہ معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس میں ہماری قوم کی ہمیشہ کے لیے بدنامی و رسوائی ہے لہذا انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنایا۔ اہل قریش کا خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش رد نہیں فرمائیں گے اور اس خاتون کا جرم معاف فرمادیں گے۔ قریش کے اصرار پر جب سیدنا اسامہ بن زید خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور قریش کا مدعا بیان کیا تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسامہ بن زید سے) فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک کے لیے سفارش کرتے ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا: ”اے لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ اُن میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کم حیثیت والا چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس جرم میں گرفتار ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (صحیح بخاری و مسلم)

امام کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دنیا کے سامنے عدل و انصاف کی وہ روشن مثال قائم فرمائی جو رہتی دنیا تک کے لیے مشعل راہ ہے۔ یقیناً عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ حق دار کو پورا پورا حق ادا کر دیا جائے اور ظالم کو اس کے جرم کی صحیح سزا ملے تاکہ مظلوم کے جذبہ انتقام کو بذریعہ قانون تسلی و تشفی ہو، وگرنہ معاشرے میں جرم در جرم ہوتے رہیں گے اور لوگ انصاف نہ ملنے پر قانون خود اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔

اسلام مکمل عدل کی ہدایت کرتا اور ظلم سے روکتا ہے، مجرم کو بس اسی قدر سزا دی جاسکتی ہے جس قدر اس نے جرم کیا ہے، اس سے زائد سزا ظلم کے زمرے میں آئے گی، جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا، جیسا کہ خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب ہدایت میں عدل و انصاف کے بارے میں فرمایا: ”اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ (سورۃ المائدہ)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اور جب (کسی کی نسبت)۔ کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو (سورۃ الانعام)۔ ان آیات مبارکہ سے عدل و انصاف کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اگر عدل کرتے ہوئے اپنا قریب ترین عزیز رشتہ دار بھی اس کی زد میں آ رہا ہو تو رشتوں کی پروا کیے بغیر عدل کے

تقاضوں کو پورا کیا جائے اور ہر طرح کے تعلق، سفارش یا رشوت وغیرہ جیسی لعنتوں کو پائے استحقاق سے ٹھکرا دیا جائے تاکہ منصف بارگاہ ایزدی میں سرخرو ہو اور مظلوم کی داد رسی ہو اور مقتدر صاحب ثروت یا اقتدار اور دولت کے نشے میں چور لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ ظلم و تعدی سے باز رہیں، ایسا تب ہی ہو سکتا ہے، جب بے لاگ انصاف ہو۔

عدل کرنے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا: اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ گویا عدل کرنا حب الہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العالمین کے ہاں انصاف کرنے والوں کے اعزاز و اکرام کا پتا دیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے۔“ (صحیح مسلم)

معلوم ہوا کہ عدل کرنا کس قدر عظمتوں کے حصول کا ذریعہ اور بے عدلی کس قدر ظلم اور ہلاکت و بربادی کا ذریعہ ہے، جب کہ عادل حکمران اللہ کے پسندیدہ ترین لوگوں میں سے ایک ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات طرح کے انسانوں کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا، جب کہ اس کے عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا..... ان میں ایک امام عادل (یعنی) انصاف کرنے والا حکمران یا قاضی ہے۔ (صحیح بخاری)

عدل و انصاف کرنے والی قومیں دنیا میں عروج حاصل کرتی ہیں اور ان کے معاشروں میں امن و استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ بے لاگ عدل کی بے شمار مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ فیصلے میں انصاف کے نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں میں اس سے اطمینان و سکون پھیلتا ہے، چنانچہ مروی ہے کہ قیصر ”بادشاہ روم“ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا، وہ مدینے میں آیا تو پوچھا: ”تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہمارا بادشاہ نہیں ہے بلکہ ہمارا تو امیر ہے اور وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے، چنانچہ وہ شخص تلاش میں نکل کھڑا ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر ریت پر درہا سر ہانے رکھے

سویا ہوا ہے۔ درہ چھوٹی سے لاٹھی تھی، جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور نہی عن المنکر میں اسے استعمال کرتے تھے۔ قاصد نے دیکھا تو اس کے دل میں رقت طاری ہو گئی اور وہ کہنے لگا: یہ شخص کہ دنیا کے بادشاہ جس سے کانپ رہے ہیں، اس اطمینان سے اکیلا سویا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگا: ”اے عمر! تم نے انصاف کیا، اس لیے تم سکون اور اطمینان میں ہو اور دنیا کے بادشاہ ظالم ہیں، اس لیے وہ خائف ہیں اور ان کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ کفر کی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تو میں عدل کی بنیاد پر مستحکم ہوتی ہیں اور ظلم و نا انصافی انہیں برباد کر دیتی ہے۔

